نہرو کے اَن دیکھے روپ

پی۔ ڈی۔ ٹنڈن

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ، دہلی

نہرو کے اَن دیکھے روپ

پی۔ڈی۔ٹنڈن

مترجم

نورالحسن نقوی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025

پہلی اشاعت	:	1982
تیسری طباعت	:	2011
تعداد	:	2100
قیمت	:	-/23 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	271

Nehru Key Andekhey Roop

By

P.D. Tandon

ISBN : 978-81-7587-698-9

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
فون نمبر: 26109746، فیکس: 26108159
ای میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز-II، نئی دہلی-110020
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho(Top) کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

کچھ اس کتاب کے بارے میں

جواہر لال نہرو کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ وہ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم تھے، ہندوستان میں آزادی کے لیے جو جنگ لڑی گئی وہ اس کے اہم لیڈروں میں سے ایک تھے، وہ دنیا کے مانے ہوئے سیاست داں تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جسے پڑھ کر ہم اصلی نہرو کو دیکھ سکیں میرا مطلب ہے اس نہرو کو جو ایک انسان تھا، جسے لوگ چاہتے تھے، جس کے سینہ میں پیار بھرا دل تھا، جس کے بہت سے روپ تھے، جسے خوب غصہ آتا تھا، جو ٹوٹ کے پیار کر سکتا تھا، جس کا دل بڑا تھا، جس کا ہاتھ کھلا ہوا تھا اور جو شرافت کا پتلا تھا۔

کہتے ہیں کوئی آدمی اپنے خادموں کی نظر میں فرشتہ نہیں ہو سکتا بات تو سچ ہے۔ جو برائیاں آدمی کے اندر چھپی ہوتی ہیں وہ اس کے نوکروں کی نظر سے چھپ نہیں سکتیں۔ باہر کا کیا ہے۔ آدمی اندر سے

اچھا ہو تو اسے اچھا سمجھنا چاہیئے۔ جنھوں نے نہرو کو دُور سے دیکھا وہ اور جنھوں نے پاس سے دیکھا وہ، دونوں یہ بات تو ضرور مانیں گے کہ وہ شریف اور بڑے انسان تھے۔

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں نہرو بہت پاس سے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف مسٹر ٹنڈن نے نہرو کو برسوں بہت نزدیک سے دیکھا تھا۔ آزادی کی جنگ کے دوران اور اس کے بعد بھی مسٹر ٹنڈن کو اس کا موقع ملا کہ وہ نہرو کی زندگی کے بہت سے دل چسپ قصّے جمع کر سکیں۔ ان قصّوں کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہرو کتنے پیارے، کتنے مہربان اور کتنے دریا دل انسان تھے۔

اس کتاب میں جو واقعات سنائے گئے ہیں وہ کوئی ایسا آدمی ہی سُنا سکتا ہے جو نہرو کو بہت اچھی طرح جانتا ہو، جس نے انھیں ہر حال میں دیکھا ہو اور ہر پہلو سے دیکھا ہو۔ ان قصّوں سے نہرو کی جو تصویر اُبھرتی ہے وہ بہت سچّی، بہت دل چسپ اور بہت جاندار ہے۔ یہاں نہرو ایک اچھے انسان کے روپ میں نظر آتے ہیں۔

نئی دہلی۔ اپریل بی۔ وی۔ کیسکر

دو باتیں

نہرو ہمارے زمانے کے بہترین انسانوں میں سے ایک تھے ۔ بہت کم لوگ ہوں گے جن میں اتنی انسانیت ہو جتنی نہرو میں پائی جاتی تھی ۔ ان کے بارے میں بہت کچھ پہلے ہی معلوم ہے ــــ وہ جنگِ آزادی کے بہت بڑے رہنما تھے ۔ آزاد ہندوستان کے وہ پہلے وزیر اعظم تھے ، وہ ایک بہت بڑے سیاست داں اور دنیا کی جانی مانی ہستی تھے ۔ نہرو کی ان ساری حیثیتوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ بھی بہت کچھ لکھا جائے گا کیونکہ انھوں نے اپنے زمانے کی تاریخ کا رُخ موڑ دیا لیکن اس کتاب میں ہم جس نہرو سے ملتے ہیں وہ ہے ۔ انسان نہرو !

نہرو کو محض ایک انسان کے روپ میں شاید یہاں پہلی بار ہی دیکھا جا رہا ہے اور یہی ان کا وہ روپ ہے جس نے انھیں اتنا پیارا

بنادیا تھا۔ سیاست کے میدان میں انھوں نے بڑے کام کیے، مگر اس کتاب میں ہم ان کا ذکر نہیں کر رہے۔ ان کے خیالات بہت اہم تھے مگر ان کی جگہ ہم نے نہرو کی مزاجی کیفیت پر زور دیا ہے۔ اس کتاب کے قصّوں کو پڑھ کر آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ وہ کتنے نڈر، کتنے ہمت والے انسان تھے، ان کا دل بہت بڑا تھا اور وہ ہر طرح کے لوگوں کا خیال رکھتے تھے۔ لیکن وہ بہرحال انسان تھے جھنجلاتے بھی تھے، غصّہ بھی کرتے تھے اور کبھی کبھی بے صبر بھی ہو جاتے تھے۔

ان قصّوں سے نہرو کی نجی خوشیاں، ذاتی غم، ساتھیوں سے دوستی، محبّت، ہمدردی اور ان کے کام آنے کا جذبہ سبھی کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب نہرو کی زندگی کی کوئی مسلسل کہانی نہیں سناتی ان کی پوری تصویر بھی پیش نہیں کرتی۔ پھر بھی میں اتنا عرض کرنے کی اجازت ضرور چاہوں گا کہ اسے کہیں سے بھی پڑھیے اس میں آپ کا دل ضرور لگے گا۔ اس کتاب میں آپ کو بہت سی ایسی باتیں پڑھنے کو ملیں گی جنھیں بہتوں نے سنا نہیں، بہت سے سُن کر بھول گئے۔ میری کتاب "نہرو — ایک انسان" اس میں سمو دی گئی ہے۔

بھاگلی روڈ   پی۔ ڈی۔ ٹنڈن

الہ آباد۔ اپریل 1969

کتنی انسانیت

جب میں جواہر لال نہرو کا ذکر کرتا ہوں یا جب ان کے بارے میں لکھنے بیٹھتا ہوں تو یادوں کا ایک ہجوم میرے سامنے ہوتا ہے میں ان حسین خیالوں کی بھیڑ میں کھو جاتا ہوں اور جواہر لال نہرو کے شاندار کارنامے ان کی جیتی جاگتی تصویر میرے سامنے لاکر کھڑی کر دیتے ہیں ۔ ان کی صحت شاندار تھی ، طور طریقے پُرکشش تھے اور ان کی طبیعت جوش سے بھری ہوئی تھی ۔

آیئے اب ذرا دیر کو آنند بھون چلیں — جواہر لال نہرو کے زمانے کا آنند بھون ! ایک دن وزیر اعظم ذرا دیر کے لیے یہاں آئے ۔ ناشتے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے یہاں بڑے بڑے کچھ لوگ جمع تھے ۔ انھوں نے اپنی جانی پہچانی مسکراہٹ سے مہمانوں کا استقبال کیا اور ہاتھ جوڑ کر انھیں نمسکار کیا ۔ پھر وہ وہیں کھڑے اپنی شیروانی میں لگے ہوئے گلاب

کے پھول کو درست کرنے لگے۔ اتنے میں ان کی نظر باھر برآمدے میں پڑی جہاں کچھ لڑکے کھڑے ہوئے تھے۔ ذرا دیر وہ خاموش کھڑے انھیں دیکھتے رہے۔ ان کے گرد کھڑے ہوئے لوگ اتنی دیر بالکل چُپ رہے۔ پھر جواھر لال نہرو نے ان بڑے بڑے اور مشہور لوگوں سے بات چیت نہیں کی بلکہ لڑکوں سے ملنے باہر چلے گئے۔

"تم لوگ کیسے ہو"؟ انھوں نے پوچھا۔

لڑکوں نے مسکرا کے جواب دیا۔ "سب ٹھیک ہے جناب"۔

"کوئی خاص بات"؟ پنڈت جی نے دوسرا سوال کیا۔

لڑکے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور کچھ کہتے ہوئے جھجکے۔

"بولو بولو۔ کیا بات ہے؟" انھوں نے پھر پوچھا۔

ان میں سے ایک بولا۔ "جناب، برسات کے دنوں میں ہماری کتابیں بھیگ جاتی ہیں اور جب ہم گھر لوٹتے ہیں تو بارش میں ہم خود بھی شرابور ہو جاتے ہیں"۔

"اچھا، ایسا ہے" پنڈت جی نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

اس کے بعد پنڈت جی نے "جے ہند" کہا اور وہ لڑکے "پنڈت جی کی جے" کہتے ہوئے چلے گئے۔

نہرو نے دہلی پہنچکر ایک آدمی کو بازار بھیجا کہ وہ ان لڑکوں کے لیے برساتیاں اور برساتی کپڑے کے تھیلے لے آئے۔ یہ چیزیں خرید کر انھیں دکھائی گئیں اور پھر الٰہ آباد بھیج دی گئیں کہ ان لڑکوں کو دے دی جائیں جن کی کتابیں اور کپڑے برسات

کے دنوں میں اسکول آتے جاتے بھیگ جاتے تھے ۔ نہرو کو
اپنے وقت کا زیادہ حصّہ بڑی بڑی گتھیاں سلجھانے میں صرف
کرنا پڑتا تھا ۔ لیکن وہ معمولی معمولی لوگوں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں
کا بھی خیال رکھتے تھے اور جہاں کسی کی مدد کی ضرورت ہوتی تھی
وہاں وہ ہمیشہ مدد کرنے کے لیے تیار رہتے تھے ۔

مہربان اور نرم دل

ایک بار کچھ نوجوان طالب علم موتی لال نہرو کے گھر گئے ۔ یہ
لوگ بندیل کھنڈ کے قحط زدہ لوگوں کی امداد کے لیے چندہ
جمع کر رہے تھے ۔ انھیں ایک ملازم نے باہر سائبان ہی میں
روک لیا ۔ موتی لال نزدیک کے برآمدے میں چہل قدمی
کر رہے تھے ۔ چندے کے لیے لڑکوں کی اپیل ان تک پہنچائی
گئی ۔ ملازم نے واپس آکر لڑکوں سے کہا ، " بڑے صاحب
کہتے ہیں کہ وہ ایسی چیزوں میں چندہ نہیں دیا کرتے ۔ لڑکوں کو
یہ جواب بُرا لگا ۔ انھوں نے کہا " بتاؤ پھر وہ کن چیزوں کے
لیے چندہ دیا کرتے ہیں تاکہ ہم آئندہ صرف انھیں کاموں
کے لیے چندہ لینے آئیں "۔

موتی لال پاس ہی تو ٹہل رہے تھے ۔ انھوں نے لڑکوں
کی یہ بات سُن لی ۔ انھیں بہت غصّہ آیا ، انھوں نے حکم دیا
کہ ان بدتمیز لڑکوں کو فوراً احاطے سے باہر نکال دیا جائے ۔
ملازم اپنے مالک کے حکم پر ان لڑکوں کو باہر نکال ہی رہا تھا

کہ جواہر لال نہرو آگئے۔ گورے چٹے تو وہ تھے ہی۔ اس وقت انھوں نے شاندار انگریزی لباس بھی پہن رکھا تھا۔ نہرو سائیکل پر سوار تھے۔ انھوں نے رک کر ملازم سے پوچھا کہ لڑکوں کو کیوں نکالا جارہا ہے؟ اس نے ساری بات بتادی اس پر نہرو نے ملازم سے کہا کہ وہ ان لڑکوں کو لے کر اندر آئے اور خود سائیکل پر آگے بڑھ گئے۔ ملازم نے لڑکوں کو بتایا کہ چھوٹے صاحب انھیں بلا رہے ہیں۔

لڑکے ڈر گئے۔ وہ سمجھے یہ کوئی انگریز ہے اور اب گھر کے اندر بلاکر ان کی پٹائی کرے گا۔ پھر بھی وہ ہمت کرکے نوکر کے ساتھ اندر چلے گئے۔

یہ ڈرے سہمے بچے جب کمرے میں جاکر بیٹھے تو چائے بسکٹ سے ان کی خاطر کی گئی۔ "کیا معاملہ ہے؟" مسٹر نہرو نے نرم اور محبّت بھرے لہجے میں پوچھا۔ لڑکے اب سمجھ چکے تھے کہ ان کے سامنے کوئی چڑچڑا بدمزاج انگریز نہیں ہے بلکہ ان کا اپنا ہم وطن ہے جو مہربان ہے، ہمدرد ہے اور جس کا دل محبّت سے لبریز ہے۔

ان لڑکوں نے جواہر لال نہرو کو بتایا کہ وہ سماجی کارکن یعنی سوشل ورکر ہیں اور بندیل کھنڈ کے قحط زدہ لوگوں کے لیے گھر گھر جاکر چندہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ان کے والد کے پاس بڑی امیدیں لے کر آئے تھے مگر ان کو ڈانٹ پھٹکار سننی پڑی اور انھیں بے عزت کرکے نکالا جا رہا

تھا۔"

"اچھا ایسا ہے۔؟" نہرو جی نے کہا اور ان کا ذہن کچھ پریشان سا ہوگیا۔ پھر انھوں نے چیک بک نکالی اور فوراً ایک سو ایک روپے کا چیک کاٹ کے لڑکوں کو دے دیا۔ "میرا خیال ہے اب تم مطمئن ہوگئے ہوگے؟" مسٹر نہرو نے کہا۔ لڑکوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ وہ بولے "ہاں جناب آپ کا بہت بہت شکریہ"۔ نوعمر لڑکے تو چیک پاکر کامیاب اور خوش خوش لوٹ گئے مگر خود جواہر لال دیر تک اُداس رہے۔

بے مثال ہمت

نہرو محض ایک فرد نہ تھے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ بہت سے آدمیوں کا مجموعہ تھے۔ مطلب یہ کہ ساری قوم کی امنگیں انکی ایک ذات میں جمع ہوگئی تھیں۔ وہ اپنی قوم کی نمائندگی اسی طرح کرتے تھے جس طرح گاندھی جی۔ ان دونوں کی آواز میں ہندوستانی قوم کے دلی جذبات کی گونج سنائی دیتی تھی۔ جہاں ہندوستانیوں کا مجمع ہوتا وہاں ان کی موجودگی جادو کا سا اثر کرتی تھی۔ ان کے لیے یہ دونوں شخصیتیں ایک حیات بخش دوا کی حیثیت رکھتی تھیں۔ نہرو عوام سے طاقت حاصل کرتے تھے اور عوام کو امید اور طاقت عطا کرتے تھے،

اگر وہ کبھیں ناراض لوگوں کی بھیڑ میں پہنچ جاتے تو ذرا دیر میں انھیں خوش اور مطمئن کر دیا کرتے تھے ۔ لوگ کتنے ہی تشدد اور گڑبڑی پر آمادہ ہوں لیکن جہاں انھیں دیکھا پُر امن ہو جایا کرتے تھے۔

1947 کے فرقہ وارانہ فسادات کے دوران انھوں نے بار بار بے مثال ہمت کا مظاہرہ کیا ۔ بے گناہ انسانوں کی جانیں بچانے کے لیے وہ بغیر کسی محافظ یا باڈی گارڈ کے مشتعل ہجوم میں گھس جاتے تھے ۔ ان کے دوست ایسے موقعوں پر گھبرا جاتے اور نہرو سے کہتے " پنڈت جی یہ لوگ پاگل پن میں آپ کو بھی مار سکتے ہیں ۔" لیکن اس وقت ان کا جواب ہوتا" تو پھر کیا میں ان ظالموں کے ہاتھوں ان بے گناہوں کو مارا جانے دوں ؟" وہ ایسے نڈر اور ہمت والے انسان تھے ۔ انکی یہ خوبی بہت سے لوگوں نے اپنائی خاص طور پر ان کی حسین اور بہادر بیٹی اندرا نے ۔

ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی بے پناہ انسانیت اور پچھڑے ہوئے کچلے ہوئے لوگوں کے لیے ان کی گہری محبت تھی ۔ لاکھوں کروڑوں لوگ ان سے پیار کرتے تھے اور وہ ان لوگوں کو جی جان سے چاہتے تھے ۔ ہم انھیں اس خوبی کے لیے بھی یاد رکھیں گے کہ ان کی نظریں آنے والے زمانے کو بہت دور سے دیکھ لیتی تھیں ۔ وہ ایک روشنی تھے ــــ کوئی معمولی روشنی نہیں ، ایک ایسا اُجالا جو کبھی ماند نہیں پڑے گا ۔ پنڈت نہرو کے رُوپ میں

قوم کو ایک رہنما ایک ہیرو مل گیا تھا۔ قوم کو برابر آگے بڑھانے والا۔! یہ شخص مصنف تھا، فلسفی تھا، سیاست داں تھا اور ایک ایسا شاعر تھا جو شاعرانہ نثر میں اپنے خیالات پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

وہ صرف اس لیے بڑے نہ تھے کہ ایک بڑے ملک کے وزیر اعظم تھے۔ وہ اس لیے بڑے تھے اس لیے عظیم تھے کہ وہ انسانیت کے بہت بڑے اور سچے پجاری تھے وہ ہندوستان کے ایک بے مثال رہنما تھے۔ اُن کے سوچنے کا انداز اہل یورپ کے انداز سے ملتا جلتا تھا۔ یورپ والے بھی ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے اور وہ بھی بہت سے معاملوں میں ان کی رایوں کی قدر کرتے تھے وہ ایک جدید ذہن رکھتے تھے جو تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا کا ساتھ دینے کی اہلیت رکھتا تھا۔

سچ ہے اس نے بہت کچھ پایا اور وہ اس سے بھی زیادہ کا حق دار تھا۔

اس نے بڑے بڑے اعزاز پائے، ان کا وہ مستحق تھا۔

اس نے بڑی شہرت پائی۔ یہ شہرت اسے دنیا نے خود ہی دی۔

وہ اس عزت، اس شہرت کا طلب گار نہ تھا۔

جب آپ نہرو کے ماضی کے بارے میں سوچیں گے

ان کی قربانیوں کو یاد کریں گے اور ان تکلیفوں کا خیال کریں گے جو انھوں نے قید خانوں میں برداشت کیں تو آپ کو احساس ہوگا کہ انھیں جو کچھ ملا اس سے کہیں زیادہ ملنا چاہیے تھا۔

زیادہ تر لوگوں کی عزت ان کے عہدوں کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن نہرو جن عہدوں پر رہے ان عہدوں نے نہرو سے عزت پائی۔ ان کے سوچنے کا ڈھنگ، ان کے شاندار کارنامے، ان کی دریا دلی، ان کی نظر کی وُسعت اور ان کی انسان دوستی —— یہ وہ خوبیاں تھیں جنھوں نے ہندوستانی عوام کا دل جیت لیا۔ لوگ انھیں پوجنے لگے۔ ان سے گفتگو کرنے والے کو ایسا لگتا تھا جیسے اس نے معلومات کے دُور تک پھیلے ہوئے سمندر کی سیر کرلی۔ میں نے سُنا ہے کسی انگریز نے نہرو کی گفتگو سُن کے کہا تھا کہ نہرو کا خیال پرندے کی طرح پر لگا کے اڑتا ہے اور ان کی نظر دُور دُور کی چیزوں کو دیکھ لیتی ہے۔ اس نے نہرو سے کہا تھا، "میں انگلستان کے ایک علاقے کا رہنے والا ہوں، میرا پسِ منظر اتنا وسیع نہیں ہے جتنا آپ کا" بھلا پنڈت جی اس کا کیا جواب دیتے؟

محنت کی زندگی

وزیر اعظم کی حیثیت سے نہرو کی زندگی بہت سخت تھی۔ سیر تفریح کے لیے وقت نکالنا ان کے لیے ممکن ہی نہ تھا۔

ان کے ملاقاتیوں کی تعداد بہت بڑی ہوتی تھی ۔ اور وہ ان سب ہی سے ملاقات کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔ صبح ہی صبح وہ یوگا کسرت کیا کرتے تھے ۔ یہ ان کی بہت پرانی عادت تھی اور انھیں دن بھر چاق چوبند رکھتی تھی ۔

ملاقات کے لیے جو وقت مقرر تھا اس کے علاوہ وہ ناشتے، دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے پر لوگوں سے ملتے تھے ۔ لوگ برابر ان سے ملاقات کے مشتاق رہتے تھے ۔ انھیں آرام کرنے کی مہلت نہ ملتی تھی ۔ اکثر یہ ہوتا کہ وہ جلدی جلدی کھانا کھاکر فوراً دفتر پہنچ جاتے اور پھر رات ہی کو لوٹتے میں نے کسی کو یہ کہتے سُنا ہے: "کبھی ایسا ہوتا کہ پنڈت جی آرام سے کھانا کھا رہے ہوتے کہ اتنے میں کوئی کام یاد آگیا اور انھوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا ۔ ایسے دن بھی آتے تھے جب گھر کے لوگوں کو ان سے چند منٹ بات کرنے کا موقع بھی نہ ملتا تھا۔"

دن بھر کے کاموں سے نمٹنے کے بعد وہ کھانا کھانے آتے تھے تو بہت تھکے ہوئے ہوتے تھے ۔ اس کے بعد بھی انھیں آرام کا موقع نہ ملتا تھا کیونکہ اکثر کھانے کے بعد بھی کوئی نہ کوئی مصروفیت ہوتی ۔ جب اور کاموں سے فرصت مل جاتی تو وہ رپورٹیں، فائل اور اخباروں کے تراشے پڑھنے بیٹھ جاتے ۔ پھر اپنے اسٹینوگرافر (مختصر نویس) کو بلاکر کچھ لکھوانے لگتے ۔

نہرو کے ایک قریبی ساتھی نے مجھے بتایا کہ اکثر وہ اتنے تھک جاتے تھے کہ لوگوں سے باتیں کرتے کرتے ان کی آنکھ جھپک جاتی تھی ۔ پھر وہ اچانک اُٹھ بیٹھتے، تھوڑی دیر باتیں کرتے ۔ پھر عینک اتار کے رکھ دیتے اور سر کو ہتھیلی کا سہارا دے کر پھر جھپکی لے لیتے ۔ یہ کوئی حیرت کی بات بھی نہیں ۔ جو آدمی مدّتوں دو تین بجے کے بعد سویا ہو اگر اس کی صحت گھوڑے جیسی ہو تو بھی ایک مدّت کے بعد اس کی طاقت جواب دے جائے گی ۔ میرے ایک امریکی دوست نے ان سے ملنے کے بعد مجھے لکھا تھا:

" اس پُرکشش وزیر اعظم سے ملاقات میرے لیے ایک بڑی خوشی کی بات تھی ۔ اس ملاقات کی یاد مدّتوں زندہ رہے گی لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے ملاقات کے دوران وہ اس طرح سو نہیں گئے جیسے کہ .... صاحب سے ملاقات کے وقت سو گئے تھے ۔"

والد نے سزا دی

ایک بار بچپن میں جب نہرو کی عمر پانچ چھ سال کی تھی تو ان کے والد نے ان کو بہت بُری طرح پیٹا تھا ۔ موتی لال کی میز پر دو خوبصورت قلم رکھے تھے ، ان کے بیٹے کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ایک وہ لے لیں ۔ انھوں نے

اپنے والد سے اجازت لیے بغیر میز پر سے ایک قلم اٹھا لیا انھوں نے دل میں سوچا "پتاجی ایک ساتھ تو دونوں قلم استعمال کر نہیں سکتے پھر میں ایک کیوں نہ لے لوں"۔

جب یہ پتہ چلا کہ ایک قلم غائب ہے تو گھر میں ایک طوفان سا اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہر طرف اس کی تلاش ہونے لگی ۔ کم عمر جواہر لال ڈر گئے مگر انھوں نے یہ قبول کر کے نہ دیا کہ میز سے قلم انھوں نے اٹھایا تھا۔ بعد میں جب پتہ چلا کہ قلم انھوں نے ہی لیا تھا تو موتی لال نے ان کی بڑی پٹائی کی ۔ اپنے بچپن کے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے نہرو نے لکھا ہے ۔ "شرم اور تکلیف سے بے حال ہوکر میں ماں کے پاس پہنچا۔ میرے ننھے سے زخمی بدن پر کئی دن دوائیں لگائی گئیں اور مرہم تھوپے گئے"۔

پتاجی خون پی رہے ہیں

دن بھر کے کاموں سے تھک جانے کے بعد موتی لال نہرو ہر شام آرام اور تفریح میں گزارتے تھے ۔ ان کے بہت سے ملاقاتی اور دوست شام کو ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ آنند بھون موتی لال کے زور دار قہقہوں سے گونج اٹھتا تھا۔ جیسا کہ بچوں کی عادت ہے جواہر لال کے دل میں یہ جاننے کی خواہش پیدا ہوا کرتی تھی کہ یہ بڑے لوگ ایک دوسرے

کیا باتیں کرتے ہیں۔ ان معزز مہمانوں کو ایک نظر دیکھنے کے لیے وہ اکثر کمرے میں جھانکا کرتے تھے۔ کبھی کبھی انکے والد انھیں اندر کھینچ کر اپنے پاس بیٹھا لیتے تھے۔ ایک شام انھوں نے اپنے والد کو گہرے سُرخ رنگ کی شراب پیتے دیکھا۔ وہ ڈر گئے۔ بھاگ کے اپنی ماں کے پاس پہنچے اور ڈری ہوئی آواز میں انھیں بتایا "پتا جی خون پی رہے ہیں"

مجھے تمہاری صورت اچھی لگتی ہے

نہرو کی دلچسپیاں بڑی گوناگوں اور ان کی ہمدردیاں بہت گہری تھیں۔ ان گنت لوگ ان کی پُرکشش شخصیت کی طرف مائل ہوئے۔ ان کا دلکش چہرہ ایک لافانی شرافت اور حُسن رکھتا تھا۔ انھیں طرح طرح کے لوگوں کی طرف سے تعریف بھرے خطوط ملتے رہتے تھے۔ امرتا شیرگل بڑی ہونہار مصوّر تھیں۔ وہ جوانی ہی میں اس دنیا سے چل بسیں۔ انھوں نے نہرو کو ایک خط لکھا تھا۔ یہاں ہم اس کے کچھ حصے نقل کرتے ہیں۔

"ابھی کچھ دیر پہلے مجھے کسی نے بتایا کہ جواہر لال نہرو بیمار ہیں۔ مجھے پہلے سے اس کی خبر نہیں تھی، میں اخبار نہیں پڑھتی۔ میں تمہارے بارے میں بہت

سوچتی رہی ہوں لیکن کسی وجہ سے۔ شاید اسی وجہ سے کہ میں تمہارے
بارے میں اتنا زیادہ سوچتی رہی ہوں۔ میں تمہیں خط نہ لکھ پائی ۔
میرا خیال ہے مجھے تم کو اور نزدیک سے جاننا چاہیے تھا۔ مجھے وہ لوگ پسند
ہیں جن کی شخصیت بھرپور ہوتی ہے اور جنہیں ماضی کا فضول پچھتاوا
نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے میری تصویروں میں تمہیں کوئی دلچسپی
نہیں تھی ۔ تم نے انھیں اس طرح دیکھا جیسے دیکھا
ہی نہیں ۔
تم سخت دل نہیں ہو ۔ تمہارے چہرے پر خاصی
نرمی ہے ۔ مجھے تمہاری صورت پسند ہے"

محبت بھرا برتاؤ

نہرو ایک ایسے گڈریے کی طرح تھے جو اپنے ریوڑ کی
دیکھ بھال محبت اور توجہ کے ساتھ کرتا ہو۔ مجھے ایسے بہت
سے قصے یاد آرہے ہیں جو ان کے محبت بھرے دل کی یاد دلاتے
ہیں ۔ یہاں میں بس دو ایک قصے ہی سناؤں گا ۔

قلعہ احمد نگر کی جیل سے چھوٹنے کے بعد انھوں نے سارے
دیش کا دورہ کیا۔ وہ گھوم پھر کر اپنی آنکھوں سے یہ دیکھنا
چاہتے تھے کہ 1942 کی بغاوت میں جو واقعات ہوئے انھوں
نے کیا اثرات چھوڑے ہیں ۔ میں یوپی میں تقریباً ہر جگہ ان کے
ساتھ گیا ۔ انھوں نے بڑے بڑے مجمعوں میں تقریریں کیں۔

میری خواہش تھی کہ ان کی صحیح تفصیل اخباروں کو بھیجوں ــــ میرے لیے سب سے بڑا اور سب سے ضروری کام یہ تھا کہ پہلے اخباروں کو رپورٹ بھیج دوں پھر کچھ اور کروں ۔ لیکن نہرو کے ساتھ یہ ممکن نہ تھا ۔ ان کا حکم تھا کہ چائے اور کھانے کے وقت سارے ساتھی موجود ہوں ۔ ان کے بہت سے پرستار ان کے لیے مٹھائی یا پھل لاتے اور پنڈت جی کو مجبور کرتے کہ وہ ان کے سامنے ہی تھوڑا بہت ضرور چکھ لیں ۔ مگر وہ اس وقت تک کچھ بھی نہ چکھتے تھے جب تک اپنے سارے ساتھیوں کو شریک نہ کریں ۔ میرا جی چاہتا تھا کہ نہرو اور ان کے پرستاروں کے درمیان جو محبت بھری باتیں ہوں ان کا ایک ایک لفظ توجہ سے سنوں ۔ ایسے موقعوں پر کھانے کی طرف دھیان دینے سے کام میں رکاوٹ پڑتی تھی ۔ مگر نہرو جی کے سوچنے کا تو ڈھنگ ہی اور تھا ۔

بلیا میں ایک دن جلسے کے بعد میں سیدھا اپنے ٹائپ رائیٹر کے سامنے جا بیٹھا اور جلدی جلدی رپورٹ ٹائپ کرنے لگا تاکہ اسے فوراً محکمۂ تار کے حوالے کردوں ۔ ایسے میں مجھے یہ بھی دھیان نہ رہا کہ کھانے کا وقت ہو رہا ہے ۔ پنڈت جی کھانے کی میز پر آئے تو انھوں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور مجھے غائب پایا، سُنا ہے انھوں نے پوچھا " وہ دیوانہ کہاں گیا ؟" مجھے ان کے "غصّے" سے محفوظ رکھنے کے لیے کسی نے یہ نہ بتایا کہ میں اس وقت کہاں مل سکتا ہوں ۔

"میں جانتا ہوں یہ آدمی کہاں ہوگا" انھوں نے غصہ میں چلا کر کہا۔ پھر وہ میرے چھوٹے کمرے میں آئے اور میرے کُرتے کا کالر پکڑ کے مجھے کھانے کے کمرے میں کھینچ کر لے گئے۔ وہ بار بار کہتے جاتے تھے "جہنم میں جائے تمہاری اخبار نویسی"۔ مجھے لے جا کر انھوں نے ایک کرسی میں دھکیل دیا۔ کسی نے مجھ سے ہمدردی نہ کی۔ سب ہنس دیئے اور پنڈت جی کی ہنسی میں شریک ہو گئے۔ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی مگر اس بات سے بہت متاثر ہوا کہ وہ دوسروں کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی عظمت کا شاندار ثبوت دیتے تھے۔

بے حد سیکولر

نہرو نے ساری زندگی فرقہ پرستی کے خلاف بڑی بہادری سے جنگ کی۔ وہ امن کے عاشق تھے۔ آج ہم خراجِ تحسین کے طور پر اس انسان کو ایسی دنیا پیش کریں جو جنگ سے پاک ہو تو یہ اس کے لیے ایک اچھا تحفہ ہوگا۔ لیکن اگر ہم ایسا ہندوستان تعمیر کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو فرقہ پرستی سے پاک ہو تو یہ بھی ان کی بہترین یادگار ہوگی۔

تقسیم ملک کے بعد انھیں جس چیز سے بے حد تکلیف پہنچی وہ ملک کے مختلف حصوں میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات تھے اس سلسلہ میں انھوں نے اپنی دلی تکلیف ظاہر کرتے ہوئے

ایک بار کہا تھا " میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے پسند کرنے والے وحشی ہیں ۔ یہ سوچ کر میرا دل دُکھوں میں ڈوب جاتا ہے ۔ ان وحشیانہ فسادات نے ملک کا سر شرم سے جھکا دیا ہے ۔ میں باپو سے ملنے گیا میں ان سے نظریں نہ ملا سکا ، میں بہت شرمندہ تھا ۔"

آزادی سے پہلے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے تھے اور اس سے ہمارے لیڈر بہت پریشان تھے ۔ اپریل 1938 میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ایک ضروری جلسہ میں شرکت کرنے کے لیے نہرو کلکتہ گئے تھے ۔ وہ وہیں تھے کہ الہ آباد میں فرقہ وارانہ فساد ہو گیا ۔ میں نے فوراً پنڈت جی کو خط لکھا اور ان سے یہ بتانے کی درخواست کی کہ فساد کے دوران عوام کی مدد کے لیے طالب علموں کو کیا کرنا چاہیئے ۔ اس وقت الہ آباد یونیورسٹی میں ایسے بہت سے طالب علم موجود تھے جو فرقہ وارانہ جنون کے ستائے ہوئے مظلوموں کی مدد کرنا چاہتے تھے ۔

نہرو کو میرا خط ملا تو وہ بہت مصروف تھے ، پھر بھی انھوں نے فوراً جواب دیا ۔ اس خط میں انھوں نے ہمیں ہدایتیں دی تھیں اور ہمارے لیے پروگرام بنا کے بھیجا تھا ۔ انھوں نے لکھا تھا ، " تمہارا خط ملا ۔ اگر خطرناک فرقہ وارانہ حالات پیدا ہو جائیں تو طالب علم اور نوجوان جس طرح مدد کر سکتے ہیں وہ یہ ہے : ان کی ایک جماعت کو اس کام کے لیے اپنی خدمات

پیش کرنی چاہئیں۔ ان کے نام لکھ لینے ضروری ہیں ۔ اطلاع ملتے ہی ایک لمحے کے اندر انھیں باہر آجانا چاہیئے ۔ انھیں جمع ہوکر کانگریس کے دفتر اور پھر وہاں سے متاثرہ علاقہ میں پہنچ جانا چاہیئے۔ ان علاقوں اور شہر کے مرکزی علاقوں مثلاً چوک میں چوراہوں اور دوسرے اہم مقامات پر انھیں پانچ پانچ کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں کھڑے ہوکر چاروں طرف کی نگرانی کرنی چاہیئے ۔ صرف ان کی موجودگی سے ہی دکانداروں ، محلّے والوں اور سب لوگوں میں خود بخود اعتماد پیدا ہوگا ۔ یہ کام انفرادی طور پر نہیں بلکہ پانچ پانچ چھ چھ لوگوں کی ٹکڑیاں بنا کر کرنا چاہیئے ۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ والنیٹر (رضاکار) کسی صورت میں بھی خود تشدّد پر آمادہ نہ ہوں ۔ اس سلسلہ میں پہلا کام یہ کرنا چاہیئے کہ مدد کے لیے جو نام لکھے جائیں وہ شہر کانگریس کمیٹی کو دے دیے جائیں۔"

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات آج بھی ہوتے رہتے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ حکومت چوکنّا رہتی ہے پھر بھی ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ان افسوسناک حالات میں بڑا کام کرسکتے ہیں ۔ اس وقت نہرو نے جو ہدایات دی تھیں ان سے آج بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ۔

نہرو اور چاند

نہرو کو فطرت سے بہت پیار تھا ۔ وہ چاند ستاروں کو دیکھتے رہنے کے بہت شوقین تھے ۔ انھوں نے لکھا ہے کہ جب

وہ جیل میں تھے تو ان چاند ستاروں نے تنہائی میں ان کا بڑا ساتھ دیا۔

کسی زمانے میں سروجنی نائیڈو یو پی کی گورنر تھیں۔ اس وقت الہ آباد گورنمنٹ ہاؤس میں میں نے ایک نوجوان امریکی خاتون کی پنڈت نہرو سے ملاقات کرائی۔ ان خاتون کو پنڈت جی سے ملنے کی بہت خواہش تھی اور وہ اسی شام کو ان سے ملنا چاہتی تھیں۔ پنڈت جی اس دن بہت خوش تھے اور مکمل آرام کے موڈ میں تھے۔ انھوں نے اچانک ایک ایسا سوال کر لیا جس کی ہم میں سے کوئی بھی اُمید نہ رکھتا تھا۔ بولے:

"محترمہ! یہ بتایے کہ آپ کے نزدیک عظمت یا بڑے پن کا پیمانہ کیا ہے؟"

امریکی خاتون ذرا دیر کو پریشان ہوئیں پھر بولیں:

"بڑا آدمی عوام کی رہنمائی کرتا ہے اور لوگ اس کی رہنمائی کو پسند کرتے ہیں۔ یہی اس کے بڑے ہونے کی نشانی ہے۔"

نہرو فوراً بولے: "کیا آپ اس بات کو پسند نہیں کرتیں کہ عوام کی رہنمائی اس طرح کی جائے کہ ان کو پتہ بھی نہ چلے کہ کوئی ان کی رہنمائی کر رہا ہے؟"

"جناب آپ کی عظمت ساری دنیا میں محسوس کی جاتی ہے" لڑکی نے جواب دیا۔

نہرو مسکرائے اور بولے: "یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔"

یہ بات چیت اس لڑکی کے لیے خاصی پریشان کن تھی۔

پنڈت جی اس کی پریشانی کو سمجھ گئے ، بولے " دیکھو نیا چاند کتنا پیارا لگ رہا ہے۔"

" جناب ! آپ کا کیا خیال ہے ، کیا پہلی تاریخ کے چاند سے پورا چاند زیادہ خوبصورت نہیں ہوتا ؟" امریکی خاتون نے سوال کیا ۔

" ہرگز نہیں " نہرو نے فوراً جواب دیا۔" نیا چاند پورے چاند سے کہیں زیادہ اچھا ہوتا ہے ۔ پورا چاند گھٹنے لگتا ہے اس طرح وہ ماضی کی علامت ہے یعنی بیتے دنوں کی یاد دلاتا ہے ۔ نیا چاند مستقبل کی علامت ہے ۔ وہ آنے والے زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ وہ وعدہ کرتا ہے کہ ہر روز پچھلے دن سے زیادہ روشنی دے گا۔"

پنڈت نہرو ہمیشہ پہلی تاریخ کے چاند کو پسند کرتے تھے۔ 'تلاش ہند' میں انھوں نے لکھا ہے :۔

"جب ہم یہاں یعنی قلعہ احمد نگر کے قید خانے میں آئے تو پہلی تاریخ کے چاند ، تاریک آسمان میں چمکتے ہوئے ہلال نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ یہ چاند قید خانے کی تنہائی میں میرا ساتھی رہا ہے ۔ اتنے دنوں ساتھ رہنے سے یہ دوستی اور بھی پکی ہوگئی ہے چاند مجھے ہمیشہ یہ یاد دلاتا ہے کہ دنیا بہت سندر ہے یہ بتاتا ہے کہ زندگی ختم ہوکر پھر سے جنم لیتی ہے اور مٹ نہیں جاتی ۔ زندگی روپ بدلنے کے باوجود

ایک سی رہتی ہے ۔ میں نے چاند کو اَن گنت روپوں اور مختلف کیفیتوں میں دیکھا ہے ۔ میں اسے اس وقت بھی دیکھتا ہوں جب سائے لمبے ہونے لگتے ہیں اور اس وقت بھی جب رات کا سنّاٹا پھیلا ہوتا ہے“۔

اتّفاق سے اس خاتون نے نہرو سے یہ کہہ دیا کہ وہ آئندہ ریڈیو پر ان کی تقریریں سُنتی رہے گی ۔

اس پر وہ بولے ” تمہیں معلوم ہے میرے ایک دوست مجھ سے ایک دن کہہ رہے تھے کہ تمہیں حلق اور ٹانگوں کی بیماری ہے ؟ میں برابر تقریریں کرتا رہتا ہوں اور گھومتا پھرتا ہوں ۔ میرا خیال ہے تم نہ چاہوگی کہ میری ان بیماریوں میں اضافہ ہو“۔

یہ سُن کر سب لوگ ہنسنے لگے ۔ اس وقت پنڈت جی کے چاروں طرف اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو گئی تھی ۔ پنڈت جی نے اس مجمع کو خدا حافظ کہا اور رخصت چاہی ۔

پنڈت نہرو کو پہاڑوں ، ستاروں اور آسمان سے بہت پیار تھا ۔ سورج ڈوبنے کا سماں انھیں خاص طور پر پسند تھا ۔ صبح کو طلوع ہوتا ہوا سورج انھیں نیا حوصلہ دیتا تھا ۔ چاند کو دیکھ کر ان کو سکون ملتا تھا ۔ پہروں فطرت کے مناظر کو دیکھتے رہنا انھیں پسند تھا ۔ انھوں نے برسوں قید خانے کی سلاخوں کے پیچھے سے تاروں بھرے آسمان کو

ایک شاعر اور خواب دیکھنے والے کی آنکھوں سے دیکھا

چوڑی دار پاجامہ

کرنل لوئی جانسن کچھ دنوں ہندوستان میں صدر روز ویلٹ کے ذاتی سفیر کی حیثیت سے رہے۔ وہ نہرو سے ملے تو نہرو کی شخصیت کا جادو ان پر اثر کر گیا۔ ہندوستان سے رخصت ہوتے وقت انھوں نے اخبارات کو بیان دیا تو اس میں یہ بھی کہا کہ وہ نہرو کو بہت پسند کرتے ہیں۔ پھر ملک کی آزادی کی بات چیت کرنے کرپس نئی دہلی آئے تو کرنل جانسن کا آنا بھی ہوا۔ وہ برابر پنڈت نہرو سے ملتے رہتے تھے۔ وہ نہرو کو چوڑی دار پاجامے میں دیکھکر حیران ہوتے تھے۔ انھیں حیرت یہ تھی کہ ایسا تنگ لباس پہنا کس طرح جاتا ہے۔ آخر ایک دن انھوں نے معذرت کے ساتھ سوال کر ہی لیا۔ "معاف کیجیے مسٹر نہرو، مجھے یہ پوچھنے کی اجازت دیجیے کہ یہ لباس جسم پر چڑھتا کیسے ہے؟ انھوں نے جواب دیا" میں تو اسے آسانی سے پہن لیتا ہوں۔" اس پر سب ہنسنے لگے آخر پنڈت جی نے سمجھایا کہ یہ کس طرح پہنا جاتا ہے۔

اسی طرح کا ایک اور قصہ سنیے۔ کہتے ہیں لندن میں ایک بار پنڈت نہرو کو تقریر کرنے کی دعوت دی گئی۔ وہ چوڑی دار

پاجامہ اور شیروانی پہن کر جلسے میں گئے ۔ جب وہ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو جلسہ گاہ میں جگہ جگہ کھسر پھسر ہونے لگی ۔ کچھ لوگ ان کے پاجامے کو زیر جامہ سمجھ رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ پتلون پہننی بھول گئے ہیں !

اُداس لمحے

میں نے نہرو کی آنکھوں سے آنسو بھی بہتے دیکھے ہیں اور انھیں بے حد اُداس لمحوں میں بھی دیکھا ہے ۔ ایسے موقعوں پر ان کے چہرے پر پُر وقار اُداسی چھا جاتی تھی ۔ ایک شام میں نے انھیں ایسے عالم میں دیکھا کہ بھلا نہیں سکتا ۔ وہ اپنی ماں کی آخری رسموں سے فارغ ہو کر آنند بھون لوٹے تو ڈرائنگ روم میں بجلی کے لیمپ کے سامنے جا بیٹھے ۔ تنہا اور اُداس ! کبھی ایک رسالہ اٹھا لیتے کبھی دوسرا ۔ اور خواہ مخواہ ورق الٹنے لگتے ۔ وہ اس وقت بہت غمگین تھے اور اپنے غم کو بھلانے کی کوشش کر رہے تھے ۔ جو حادثہ گذرا تھا وہ اُسے اپنے ذہن سے نکال دینا چاہتے تھے ۔ لیکن ظاہر ہے ان کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی ۔ میں نے کمرے کے باہر سے آدھے گھنٹہ تک ان کے چہرے کو غور سے دیکھا ۔ ان کے چہرے پر افسردگی برس رہی تھی ۔ ان کے چہرے کی وہ حالت آج تک میرے ذہن پر نقش ہے ۔ وہ چہرہ ، اس پر غموں کی وہ پرچھائیں

وہ تاثر وہ لمحے، شاید کبھی بھی میرے ذہن سے محو نہ ہو سکیں ۔

ایک دردناک چوٹ

گاندھی جی کی موت نہرو کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ تھی، ایک دردناک چوٹ تھی ۔ اس موت کا انھیں بڑا دکھ تھا ۔ وہ باپو کو کبھی بھلا نہ سکے اور ہمیشہ ان کی کمی محسوس کرتے تھے ایک بار پنڈت جی لندن میں دولتِ مشترکہ (کامن ویلتھ) کے وزرائے اعظم کی کانفرنس میں شرکت کر کے لوٹ رہے تھے راستہ میں کسی نے انھیں ایک کتاب دی ۔ اس میں باپو کے بہت سے فوٹو تھے ۔ اس وقت پنڈت جی بمبئی سے دہلی کی طرف پرواز کر رہے تھے ۔ انھوں نے اِدھر اُدھر سے کچھ ورق الٹے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ۔ گاندھی جی کی تصویروں نے گزرے ہوئے دنوں کی یاد دلادی اور پنڈت جی اپنے آنسو نہ روک سکے ۔

شرافت کا نمونہ

نہرو کبھی چھوٹے پن کا ثبوت نہ دیتے تھے ۔ وہ شرافت اور انسانیت کا نمونہ تھے ۔ اپنے نجی برتاؤ میں وہ بڑی شرافت، رواداری اور انسانیت سے کام لیتے تھے ۔ اپنے عمل سے وہ دوسروں کو

دریا دلی اور وُسعتِ قلب کا سبق دیتے تھے۔ وہ کبھی اُن لوگوں کی حوصلہ افزائی نہ کرتے تھے جو دوسروں کی بُرائی کرنے کے عادی ہوتے تھے۔ ایک بار آنند بھون میں کسی کانگریسی لیڈر نے آدھے گھنٹے تک اپنے کسی سیاسی مخالف کی برائی کی۔ نہرو خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے اور جب اس نے اپنی بات پوری کر لی تو وہ یہ کہہ کر اُٹھ گئے "ممکن ہے اس شخص میں وہ سارے عیب موجود ہوں جو آپ نے بیان کئے ہیں لیکن جو لوگ اس طرح کسی کے عیب گناتے ہیں وہ بھی اعلیٰ درجے کے انسان نہیں ہو سکتے۔"

شکایت کرنے والا خاموش ہو گیا۔ میں نے محسوس کر لیا کہ شکایت کرنا کوئی بہت اچھی چیز نہیں ہے۔ اس دن میں نے ایک بہت بڑا سبق سیکھا۔ میرا جب بھی کسی کی بُرائی کرنے کو جی چاہتا ہے تو مجھے فوراً پنڈت جی کی کہی ہوئی بات یاد آجاتی ہے۔

اقلیتوں کے مددگار

میجر پی۔ ایس۔ مہتا کچھ فوجیوں کے ساتھ ہندوستان پاکستان کے وزرائے اعظم ــ پنڈت نہرو اور لیاقت علی خاں کے امن مشن کی کارروائی میں شریک رہے۔ انھوں نے الہ آباد یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر پی۔ ای۔ دستور کو

کچھ واقعات بتائے ۔ ملک کے بٹوارے کے بعد ملک میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے تھے ۔ پنڈت نہرو اور لیاقت علی خاں نے جاکر ظلم کے ماروں کو تسلّی دی ۔ یہ واقعات اسی سے متعلق ہیں ۔

پہلی ستمبر 1947 کو پنڈت نہرو اور لیاقت علی خاں آدم پور ہوائی اڈّے پہنچے ۔ گڑ بڑ کے علاقوں میں جانے کے لیے محافظوں کا بندوبست کیا گیا تھا ۔ یہ باڈی گارڈ چار جیپوں میں سوار تھے ۔ نہرو جی کو اس پر اعتراض تھا ۔ انھوں نے جنرل تھمّیا سے جو اس وقت برگیڈیر تھے کہا کہ وہ فوجیوں کے ساتھ سفر نہیں کر سکتے اس پر انھیں بتایا گیا کہ "یہی حکم ملا ہے" پنڈت جی نے کہا "میرے خیال سے تو یہ کوئی بہت اچھا حکم نہیں ہے" اور اس پر اصرار کیا کہ کم سے کم فوجیوں کی تعداد آدھی تو کر ہی دی جائے ۔

قریب ہی کمال پور میں ہندوستانی مہاجرین کا کیمپ تھا ۔ دونوں وزیر اعظم وہاں پہنچے ۔ مسلمان مہاجرین نے جیسے ہی پنڈت نہرو کو دیکھا وہ چیخنے لگے "آیا ظالم ! مار ڈالا ، لوٹ لیا ۔" ہجوم کے مخالفانہ رویّے کو دیکھ کر محافظوں کا دستہ پریشان ہوگیا ۔ انھیں اندیشہ تھا کہ کوئی بُری صورت پیش آسکتی ہے انھوں نے یہ کوشش کی کہ پنڈت جی کے گرد حصار بنا لیں اور اس طرح انھیں اپنے بیچ میں لے کر محفوظ کریں ۔ مگر ۔ پنڈت جی تھے کہاں ؟ وہ تو کہیں بھی نظر نہ آرہے تھے ۔۔۔ فوجیوں نے پریشان ہوکر ایک دوسرے کو دیکھا ۔ آخر

پنڈت جی ایک بوڑھی عورت کے پاس بیٹھے نظر آئے ۔ وہ اس کی دکھ بھری داستان سن کر اسے تسلی دے رہے تھے ۔ اب وہی مجمع جو ذرا دیر پہلے ان کے خلاف نعرے لگا رہا تھا اور انھیں قاتل بتا رہا تھا ، اب انھیں پہلے کی طرح محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا ۔

دونوں وزیر اعظم ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف شکائتیں سن رہے تھے ۔

ایک مسلمان کانسٹبل کھڑا ہوکر لیاقت علی سے بولا "گاندھی اور نہرو ہی ہمارے ماں باپ ہیں ۔ آپ نے کیا کیا ؟ آپ نے تو ہوٹل میں بیٹھ کر پاکستان لیا ۔ آپ نے کیا قربانی دی ہے ؟"

جب ہندوستان کے وزیر اعظم مسلمان پناہ گزینوں کے کیمپ سے رخصت ہوئے تو "ظالم آگیا" کی آوازیں نہ اٹھیں بلکہ "ہندوستان کا وزیر اعظم ۔ زندہ باد !" کے نعرے لگے ۔

وہاں سے پنڈت جی ہوشیار پور گئے جہاں ڈپٹی کمشنر کا بنگلہ تھا ۔ ہزاروں ہندو اور سکھ وہاں ان کے درشن کے خواہشمند تھے ۔ نہرو نے ان لوگوں کو کھلے لفظوں میں بتادیا کہ وہ قاتل ہیں اس لیے وہ ان کا منہ دیکھنا نہیں چاہتے ۔ بھیڑ انھیں دیکھنے کی ضد کرتی رہی تو وہ غصہ میں بپھرے ہوئے باہر آگئے اور اپنا سارا غصہ ان پر انڈیل دیا ۔ نہرو نے انھیں ڈاکو کہا ، قاتل کہا ۔ مگر کوئی زبان نہ ہلا سکا ۔

پنڈت جی نے ان لوگوں سے کہا کہ ان کے ظلم کے

بدلے حکومت ان کے ساتھ سختی برتے گی۔ پھر گرج دار آواز میں بولے۔ "کان کھول کر سن لو! یہ حرکتیں جاری نہیں رہنے دی جائیں گی۔ اگر ضرورت پڑی تو میں تم لوگوں کو توپ سے اُڑوا دوں گا۔ اگر ایسا کرنا پڑا تو تم پر جہازوں سے بم باری کراؤں گا۔"

کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ کوئی غصہ یا احتجاج نہ کر سکا۔ بلکہ جب وہ رخصت ہوئے تو زور دار تالیاں بجیں اور زبردست نعرے لگے۔

وہاں سے پنڈت جی خاص پور گئے۔ یہ گاؤں آدم پور کے پاس ہے۔ وہاں مسلمانوں کے ایک مجمعے نے پنڈت جی سے اپنے اس خوف کا اظہار کیا کہ سکھ انھیں مار ڈالیں گے۔ اس وقت سردار سورن سنگھ مشرقی پنجاب کے وزیر داخلہ و مالیات تھے۔ پنڈت جی نے انھیں بلا کے کہا کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ وہاں مسلمانوں کا بال بیکا نہ ہو۔

اس کے بعد پنڈت جی غصے میں بھرے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کے اس مجمعے کی طرف گئے جو وہاں جمع تھا۔ اُن لوگوں کو پنڈت جی نے بہت سخت سست کہا کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک بھیانک اور شرمناک تھا۔ مجمعے پر اس کا بھرپور اثر ہوا۔ سکھوں نے اپنی کرپانوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ کسی مسلمان کو نہیں ستائیں گے۔

ہمّت اور برداشت

پنڈت نہرو ان لوگوں کو پسند کرتے تھے جو جسمانی تکلیفوں کو سہہ لینے اور پریشانیوں کو برداشت کر لینے کی ہمّت رکھتے ہوں انھیں کبھی کوئی تکلیف ہوتی تھی تو اس پر واویلا کرنا ان کی عادت نہ تھی۔ 12 ستمبر 1955 کو کھجوراہو میں ان کے داہنے ہاتھ کی دو انگلیاں بُری طرح زخمی ہوگئی تھیں۔ وہ کار میں سے اتر رہے تھے کہ اچانک کار کا دروازہ بند ہوگیا۔ ان کے ہاتھ کی دو انگلیاں چھت گئیں اور ان سے خون بہنے لگا وہ بے چین ہوگئے۔ ان کے سخت درد تھا مگر انھوں نے زبان سے اُف بھی نہ کی۔ انگلیوں کی مرہم پٹی کر دی گئی اور وہ اپنا دورہ مکمل کرکے الٰہ آباد لوٹ آئے۔ گلے میں بندھی ہوئی ایک پٹی ان کے ہاتھ کو سہارا دیئے ہوئے تھی۔

دیکھنے والا ان کے چہرے سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کیسی تکلیف میں مبتلا ہیں لیکن کوئی ملنے آتا تو ان کے چہرے پر وہی جانی پہچانی مسکراہٹ پھیل جاتی۔ اس دن وہ بائیں ہاتھ سے ہی مصافحہ کرتے رہے۔ کسی نے کہا " جناب مجھے یقین ہے کہ اس وقت آپ سخت تکلیف میں مبتلا ہیں مگر بہادری سے اس کا مقابلہ کرر ہے ہیں"۔ نہرو جی مسکرائے اور بولے " آخر چھوٹی سی چوٹ ہی تو ہے، کہیے آپ کے مزاج کیسے ہیں؟"۔

پنڈت جی کی انگلیوں میں سخت تکلیف تھی ۔ ان کے لیے کپڑے پہننا ، داڑھی بنانا، کھانا کھانا دشوار تھا اور بھی سارے کام کرنے مشکل تھے لیکن وہ کوئی گلہ شکوہ نہ کرتے تھے ۔ وہ الہ آباد میں قیام کے دو گھنٹے ہنسی خوشی اور دوستوں سے بات چیت میں گزارنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے دوستوں کی خوشی میں کوئی کمی نہ ہو ۔ اس لیے اس حادثہ کا ذکر کرکے اور اپنی تکلیف جتا کے وہ اس صحبت کو بے مزہ کرنا نہ چاہتے تھے۔ پھر جب وہ بائیں ہاتھ میں کپ تھام کے چائے پینے لگے اور اندازہ ہوا کہ وہ درد سے بہت بے چین ہیں تو کسی نے پوچھ ہی لیا " اب آپ کی انگلیوں کا کیا حال ہے ؟"

وہ مسکرائے اور بولے " بہت درد ہے۔ مگر فکر کی کوئی بات نہیں۔ یہ جلد ہی ٹھیک ہوجائیں گی "۔

نہرو خاصی سخت زندگی گزارنے کی صلاحیت رکھتے تھے ۔ وہ کافی تکلیفیں برداشت کر لیتے تھے ۔ سردی، گرمی وہ آسانی سے سہہ لیتے تھے ۔ گرمیوں میں جب الہ آباد میں سخت لو چلتی تھی اور سارا شہر ایک تپتی ہوئی بھٹی بن جاتا تھا تو وہ آنند بھون کی بالائی منزل میں اپنے مطالعہ کے کمرے میں سارے سارے دن کام کرتے رہتے تھے ۔ وہاں کوئی خس کی ٹٹی بھی نہ ہوتی تھی ۔ ایک دن لال بہادر شاستری ان کے پاس آئے اور اوپر کمرے میں جاکر ملاقات کی ۔ شاستری جی کو وہاں بہت گرمی محسوس ہوئی ۔ انھوں نے پنڈت جی سے

کہاکہ جب اس کمرے کی گرمی برداشت سے باہر ہے تو آپ دن میں یہاں رہ کے کیوں کام کرتے ہیں۔ پنڈت جی نے بتایا کہ انھیں وہاں کوئی خاص گرمی نہیں لگتی اور انھیں اس گرمی کی عادت ہو گئی ہے۔ دوسرے اس کمرے میں کام کرنا اُنھیں اس لیے بھی اچھا لگتا ہے کہ وہ برسوں وہاں کام کرتے رہے ہیں۔ شاستری جی نے مشورہ دیا کہ اس کمرے کو ذرا ٹھنڈا کرنے کی کوئی ترکیب ہونی چاہیے۔ پنڈت جی کو یہ بات پسند نہ آئی انھوں نے کہا " آدمی کو ہر طرح کی عادت ہونی چاہیے۔ اسے آرام، پھر اور زیادہ آرام کی فکر نہ ہونی چاہیے"۔

مصروف زندگی سے پیار

نہرو تیز رفتاری کو پسند کرتے تھے۔ سُست رفتاری سے انھیں نفرت تھی۔ وہ کہا کرتے تھے " شاید مجھے ہوا باز ہونا چاہیے تھا تاکہ جب زندگی کی سستی اور بے جانی مجھ پر قابو پالے تو میں اُڑ کر بادلوں کی بلندی میں پہنچ جاؤں اور خود سے کہوں :

میں نے ہر چیز کو تولا، ہر بات کو ذہن میں لایا
آنے والے سال وقت کا زیاں معلوم
ہوتے تھے۔
بیتے برس برباد زمانہ لگتے تھے۔

ماضی اور استقبال کے درمیان یہ زندگی ہے۔
موت جیسی!

معروفیت اور پریشانی کے باوجود بھرپور زندگی سے نہرو کا پیار کم نہ ہوتا تھا۔ وہ محبت اور قہقہوں کے لیے بنے تھے۔ وہ بھرپور قہقہے لگاتے تھے اور بچوں کے ساتھ کھیلنے کو پسند کرتے تھے۔

جب بھی انھیں فرصت کے لمحے میسر آتے، وہ ان لوگوں کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے جو ان کے ارد گرد ہوتے تھے۔ کبھی موقع مل جاتا تو وہ جلسے اور فائلیں چھوڑ کے ذرا دیر آرام کے لیے وقت نکال لیتے۔ ایک بار ہیملٹ فلم (شیکسپیئر کا ڈراما) آئی تو وہ اسے دیکھنے گئے۔ لیکن فلم دیکھنے سے پہلے انھوں نے پورا ڈراما ایک بار پھر پڑھ ڈالا۔

آرام حرام ہے

نہرو نے بہت بار اپنی سالگرہ قید خانے میں منائی۔ ہر سال گرہ انھیں اور قوم کو یہ یاد دلاتی تھی کہ زندگی کا ایک اور قیمتی سال بیت گیا۔ ایک جگہ اپنی سال گرہوں کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

"کبھی میری سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ میری سال گرہ اتنے دنوں بعد آتی ہے۔ کئی بار جی چاہا

کہ اس بات کا مطالبہ کروں کہ میری
سال گرہ جلدی جلدی ہونی چاہیے اس وقت
مجھے یہ خیال نہ تھا کہ ایک ایسا زمانہ بھی
آئے گا جب سال گرہ بڑھتی ہوئی عمر کی یاد
دلاکر اُداس کر دیا کرے گی۔"

نہرو جی کبھی محنت کے کام سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ وہ دنیا کے سب سے زیادہ مصروف لوگوں میں سے ایک تھے۔ جب وہ وزیر اعظم نہ تھے اس وقت بھی وہ بہت زیادہ کام کیا کرتے تھے۔ صحت اچھی ہونے کے باوجود وہ کبھی کبھی بہت تھک کر بے حال ہو جایا کرتے تھے۔

27 جولائی 1942 کو انھوں نے مجھے اپنے مطالعہ کے کمرے میں بلایا۔ وہ اخبارات کے لیے کچھ لکھانا چاہتے تھے۔ انھوں نے بولنا شروع کیا لیکن درمیان ہی میں ان کی آنکھ لگ گئی۔ میں خاموشی سے ان کا تھکا ہوا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ آرام کرسی پر دراز تھے۔اور لیٹے لیٹے انھوں نے چند منٹ جھپکی لے لی تھی۔ آنکھ کھلی تو انھوں نے سوال کیا "میں کتنی دیر سویا؟ تمہیں زیادہ دیر تو انتظار نہیں کرنا پڑا؟"۔ میں نے کہا "آپ صرف چند منٹ سوئے۔ اچھا ہوتا کہ آپ ذرا دیر اور سو لیتے۔ آپ بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں"۔

انھوں نے جواب دیا "نہیں ایسا تو نہیں ہے۔ میں تو بالکل تازہ دم ہوں۔ آؤ اب اپنا کام کریں"۔

آرام کے تیزی سے گزر جانے والے کچھ لمحوں کے بعد ان کا کام پھر شروع ہو گیا۔ شاید وہ دل میں یہ دوہراتے رہتے تھے کہ "آرام حرام ہے۔ آرام ان بے چاروں کے ساتھ غداری ہے جنھیں آرام کرنے کی مہلت نہیں ملتی"۔ ان کی قسمت ہی میں سخت محنت لکھی تھی۔

پنڈت نہرو کا غصّہ

پنڈت نہرو کے غصّے کے بہت چرچے ہیں اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مجھے ان کے غصّہ کا ایک دلچسپ قصّہ یاد ہے، آیئے آپ کو وہ دلچسپ قصّہ سناؤں۔

1955 کی شروعات تھی کہ وہ الہ آباد ریلوے جنکشن اسٹیشن کا سنگِ بنیاد رکھنے الہ آباد آئے۔ ایک شاندار جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے کئی ہزار روپے خرچ کیے گئے تھے۔ وزیر ریلوے اور محکمۂ ریل کے بہت سے اعلیٰ افسر جلسے کے انتظام کی دیکھ بھال کے لیے کئی دن پہلے الہ آباد پہنچ گئے تھے۔ ہر چیز ٹھیک ٹھاک تھی۔ جلسے کا انتظام محکمۂ ریل کے سپرد تھا۔ خوب روپیہ خرچ ہو رہا تھا اور واقعی انتظام بہت اچھا تھا۔ لیکن عین موقع پر ایک افسوسناک حادثہ پیش آگیا۔ وقت پر لاؤڈ اسپیکر خراب ہو گئے اور نہرو جی غصّہ سے بے قابو ہو گئے۔ لوگ دُور دُور

سے پنڈت جی کی تقریر سننے آئے تھے اور اب انھیں مایوسی ہو رہی تھی ۔ چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں "سُنائی نہیں دے رہا ۔ سُنائی نہیں دے رہا"۔ پنڈت جی کو بہت کوفت ہوئی ۔ الہ آباد ان کا وطن تھا ۔ وہ اس ارادے سے آئے ہوں گے کہ ان لوگوں سے دیر تک باتیں کریں گے اب انھیں اس بات کا افسوس تھا کہ جن لوگوں نے اتنی دیر ان کا انتظار کیا اب وہ مایوس لوٹیں گے ۔ اس کا انھیں بہت صدمہ تھا ۔ انھوں نے گرج کر کہا : "یہ کیا انتظام ہے ۔ یہ سخت نالائقی ہے ۔ یہ بڑی شرارت اور نالائقی کا کام ہے ۔ مجھے سخت کوفت ہو رہی ہے یہ افسر صرف کاغذوں پر دستخط کرنا ہی جانتے ہیں"۔

کسی نے صفائی پیش کرنا چاہی مگر پنڈت جی نے یہ کہہ کر اس کا منہ بند کر دیا "کوئی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ دو منٹ میں جنگ ہاری جا سکتی ہے ۔ پھر جب جنگ میں ہار ہو جاتی ہے تو ہار ہو جاتی ہے ۔ اس کے بعد یہ پوچھنا بیکار ہوتا ہے کہ شکست کیوں ہوئی ؟ کیسے ہوئی ؟"۔

ذرا دیر انھوں نے انتظار کیا کہ شاید لاؤڈ اسپیکر درست ہو جائیں مگر بہت دیر کچھ نہ ہو سکا ۔ بات پنڈت جی کی برداشت سے باہر ہو گئی ۔ وہ بپھر کے بولے "اس نالائق کو جو اس گڑبڑ کا ذمہ دار ہے نوکری سے برخاست کیا جانا

چاہیئے ۔ تم نالائق ہو ۔ تم نالائق ہو۔" کبھی وہ ایک منتظم کی طرف انگلی اٹھاکے کہتے تو کبھی دوسرے کی طرف ۔ یہ منتظم ڈائس پر انتظام میں مصروف تھے ۔

پنڈت جی نے افسروں کو بُرا بھلا کہا اور پبلک نے مزہ لیا کچھ لوگ سمجھ رہے تھے کہ اب تقریر نہیں ہوگی ۔ وہ لوٹ جانا چاہتے تھے مگر دوسرے لوگوں نے یہ کہہ کر انھیں روک لیا "ٹھہرو ابھی پنڈت جی ان افسروں کی اور دُرگت بنائیں گے ۔ مزہ آئیگا۔" پبلک ٹھہری رہی ۔ نہرو جی بار بار بھڑک اٹھتے اور افسروں پر برستے ۔ لال بہادر شاستری اُس وقت ریلوے کے وزیر تھے، وہ اس وقت جلسے میں موجود تھے اور ان کی بُری حالت ہو رہی تھی ۔

بڑی کوششوں کے بعد لاوُڈ اسپیکر ٹھیک کر لیے گئے اور نہرو جی نے پبلک سے خطاب کیا ۔ لوگوں کو جو دُشواری ہوئی تھی اور انھیں اتنی دیر تک جو انتظار کرنا پڑا تھا اس کے لیے پنڈت جی نے معافی چاہی ۔

جلسے کے بعد پنڈت جی اُداس لوٹے ۔ افسران بھی محنت اور پنڈت جی کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد کافی اُداس اور بہت تھکے ہوئے تھے ۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ مصنّف کو بھی پنڈت جی کی مشہور خفگی سے کبھی کوئی واسطہ پڑا یا نہیں ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جنھیں پنڈت جی سے ذرا سا بھی تعلق رہا ہوگا ، انھوں نے

ان کی ناراضگی کا مزہ ضرور چکھا ہوگا ۔ میرے ساتھ بھی صرف ایک بار ایسا واقعہ پیش آیا جو ناخوشگوار ہونے کے باوجود میرے لیے خوشگوار بھی تھا ۔

محترمہ پورنیما بنرجی جو اب اس دنیا میں نہیں رہیں اُس وقت الہ آباد شہر کانگریس کمیٹی کی سکریٹری تھیں ۔ ایک دن شہر کانگریس کمیٹی کے دفتر میں جلسہ ہونے والا تھا ۔ پورنیما جی نے اس جلسہ میں مجھے بھی مدعو کیا تھا ۔ اخباروں میں جلسے کی کارروائی بھیجنے کے لیے میں بھی جلسے میں پہنچا ۔ وہاں پنڈت جی نے مجھے دیکھا تو کہا " آپ یہاں کیوں آئے ہیں ۔ اس جلسہ میں اخبار والوں کو شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے ۔ آپ باہر جائیے ۔"

اس اچانک حکم سے مجھے بہت غصّہ آیا ۔ کانگریس کے کچھ ممبروں نے پنڈت جی کو بتایا کہ مجھے جلسے میں شرکت کے لیے بلایا گیا ہے ۔ یہ سُن کر انھوں نے مجھے بلوالیا ۔ میں بہت غصّہ میں تھا کیونکہ اخبار نویس کی حیثیت سے مجھے پہلی بار اس طرح کا تجربہ ہوا تھا ۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ میں اس توہین کو چُپ چاپ برداشت نہ کروں گا ۔ میں پنڈت جی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا ۔ میری صورت سے یہ ضرور معلوم ہو رہا ہوگا کہ میں بہت غصّہ میں ہوں ۔ ذرا دیر بعد انھوں نے پھر مجھ سے باہر چلے جانے کو کہا ۔ میں چلا تو گیا مگر میں غصّے سے پاگل ہو اٹھا ۔ تھوڑی دیر بعد مجھے

پھر بلالیا گیا ۔ میں چپ بیٹھ گیا اور اس طرح مجھ پر جو گزری تھی اس کے خلاف مظاہرہ کرنے لگا مگر عدم تشدد (اہنسا) کے ساتھ کارروائی کی یادداشتیں (نوٹس) لکھنے کے لیے جو کاغذ میرے سامنے رکھے تھے میں نے غصے میں انھیں پھاڑ ڈالا ۔ فرش پر مار کر پنسل کی نوک توڑ ڈالی اس طرح میں بیٹھا ہوا سخت غصّے کا اظہار کرتا رہا ۔ نہرو جی مجھے دیکھتے رہے ، معلوم ہو رہا تھا کہ انھیں میری حرکتوں پر بہت غصّہ آرہا ہے ۔

جلسہ ختم ہوگیا ۔ میں ایک کونے میں کھڑا تھا ۔ جو کچھ میرے ساتھ پیش آیا اس پر مجھے تکلیف بھی تھی اور شرمندگی بھی ۔ مسز پنڈت اور آنجہانی آر ۔ ایس پنڈت میرے پاس آئے ۔ انھوں نے کہا کہ میں اگلے دن صبح دس بجے ان دونوں سے ملوں ۔ نہرو جی نے ان دونوں کو مجھ سے بات کرتے دیکھا تو آئے اور مسز پنڈت کا بازو پکڑ کر یہ کہتے ہوئے ایک طرف لے گئے " جو آدمی ہوش میں نہ ہو اس سے بات کرنی بیکار ہے " آخر وہ سب چلے گئے ۔ میں گھر لوٹا تو طیش میں تھا اور توہین کا بدلہ لینے کی باتیں میرے دماغ میں گھوم رہی تھیں ۔

میں نے دل میں کہا کہ اس وقت میں جوان ہوں ۔ مجھے ہمّت سے کام لینا چاہیے اور بہادرانہ قدم اٹھانا چاہیے ۔ اگر میں اس وقت کچھ نہیں کرسکتا تو کیا بوڑھاپے میں دانت

گرنے کے بعد کچھ کر سکوں گا ۔ میرے ساتھ اگر زیادہ سے زیادہ کچھ ہو سکتا ہے تو وہ یہ کہ مجھے اخبار نیشنل ہیرالڈ سے الگ کر دیا جائے گا ۔ میں نے خود کو سمجھایا کہ یہ کچھ ایسی بڑی بات نہیں ۔

میں نے پنڈت جی کے نام ایک خط لکھا مگر یہ طے نہ کر سکا کہ انھیں بھیجوں یا نہ بھیجوں ۔ جب میں خط ٹائپ کر رہا تھا تو بجلی چلی گئی ۔ اس دن میں خط نہ بھیج سکا ۔ اس رات دیر تک میں گھاس پر ٹہلتا رہا ۔ میری بڑی حالت تھی اور میں انتقام کی آگ میں جل رہا تھا ۔

میں بہت تھکا ہوا تھا ۔ لیٹا تو آنکھ لگ گئی ۔ صبح کو اٹھا تو میں نے محسوس کیا کہ میں احمق ہوں جو اس واقعے پر اتنا برہم ہوں ۔ میں نے دل میں کہا نہرو کتنے اچھے ہیں اور غصّے میں بھی کیسے پیارے لگتے ہیں ۔ مجھے اسوقت ایسا لگا جیسے میں ساری ناخوشگوار باتیں بھول گیا ہوں ۔ مگر یہ میری بھول تھی ۔ دو ایک گھنٹے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ میری بزدلی تھی ۔ اور میں نہرو کو ناخوشگوار خط لکھنے سے بچنا چاہ رہا ہوں ۔

آخر کار میں نے خط لکھا اور بھیج بھی دیا ۔ یہ بہت بُرا خط تھا ۔ جلسے میں میرے ساتھ جو بُرا سلوک ہوا تھا اس کے خلاف میں نے اِس خط میں اپنے غصّہ کا اظہار کیا تھا ۔ اس خط کو بھیج دینے سے مجھے بہت سکون ملا ۔ میرا ملازم خط لے کر آنندبھون

گیا اور لوٹ کر اس نے بتایا کہ پنڈت جی بالائی منزل میں تھے۔ خط اوپر بھیج دیا گیا۔ پنڈت جی فوراً نیچے آئے اور انھوں نے غصّہ میں آواز دی "ٹنڈن"! کسی نے انھیں بتایا کہ ٹنڈن یہاں نہیں ہے۔ ان کا ملازم خط لایا ہے۔ مجھے یہ سب سُن کے اطمینان ہوا۔ انھوں نے مجھے ذلیل کیا تھا تو میں بھی انھیں غصّہ دلانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ حساب برابر ہوگیا ہے۔

اگلی صبح کو مسٹر آر۔ ایس۔ پنڈت سے میری ملاقات طے تھی۔ میں اس دن آنند بھون گیا مگر پنڈت جی کا سامنا کرنے کی ہمّت نہ کرسکا۔ مسٹر پنڈت مجھے مطالعے کے کمرے میں لے گئے اور ایک بیان لکھانے لگے۔ میں لکھ رہا تھا کہ پنڈت جی اندر آگئے۔ وہ میری برابر آکر کھڑے ہو گئے اور سخت لہجے میں بولے " آپ کا خط ملا۔ کوئی عقلمندی کا خط نہیں تھا"۔ میں اپنے اس عمل سے مطمئن تھا۔ میں نے کھڑے ہوکر جواب دیا۔ میرا قد ان کے قد سے ذرا لمبا تھا۔ اس سے مجھ میں کچھ اعتماد پیدا ہوا۔ میں نے کہا "اس میں عقلمندی اور بے وقوفی کی کیا بات ہے۔ آپ نے مجھے ذلیل کیا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ آپ سے اس کی شکایت کروں اس کے خلاف احتجاج کروں"۔

"کیسی شکایت؟ کس بات کا احتجاج؟ تم بھی عجیب آدمی ہو"۔ انھوں نے غصّہ سے کہا۔ اور مجھے مسٹر پنڈت کے کمرے

سے کھینچ کر لے گئے اور مجھ سے ڈرائینگ روم میں چلنے کو کہا۔

"کیا تم سمجھتے ہو میں نے جان بوجھ کر تمہاری توہین کی ؟" انھوں نے سوال کیا۔

میں نے کہا "میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے جان کر مجھے ذلیل کیا مگر بہرحال مجھے ذلت تو ہوئی۔"

"بہرحال ، بہرحال"۔ انھوں نے غصہ میں دوہرایا اور مجھے صوفہ میں دھکیل دیا۔

میں اُس رات کم سویا تھا اور تھکا ہوا تھا۔ مجھے صوفہ میں آرام ملا۔ میں نے کہا "آپ مجھے سب کے سامنے یوں ذلیل کریں گے تو میری کیا عزت رہ جائے گی اور میں کسطرح کام کر سکوں گا۔"

وہ ٹہلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے "عجب آدمی ہے۔ یہ بھی عجب آدمی ہے۔" پھر بولے "تم کہتے ہو میں عوامی آدمی ہوں۔ اخبار نویس ہوں مگر کتنے جلدی غصہ ہونے والے آدمی ہو۔ میرے دماغ میں قومی اور بین الاقوامی مسئلے رہتے ہیں۔ میرے پاس کسی کی توہین کرنے کا وقت ہے کب۔ اگر تم چین جاؤ ، اسپین جاؤ اگر تم ...... اگر تم ......"

میں بیچ میں بول پڑا "میرے چین جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرے پاس تو اتنا روپیہ بھی نہیں کہ پھاپھا مٹو

تک جا سکوں" (یہ الہ آباد سے اگلا اسٹیشن ہے) میری اس بات سے ان کے خیالوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ذرا دیر تو وہ خاموش رہے پھر کچھ پریشان ہو کر بولے" اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے کہ میں تو پھاپھاموٗ تک بھی نہیں جا سکتا۔"

میرا جو مطلب تھا وہ میں نے انہیں بتایا۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ" یہ بالکل الگ بات" ۔ پھر دوہرایا " یہ بھی عجیب آدمی ہے ذرا ذرا سی بات کا بُرا مانتا ہے۔"

ذرا دیر یہ ہوتا رہا۔ پھر مجھے یہ یاد نہیں کہ مسٹر آر۔سی پنڈت یا مسز پنڈت ان دونوں میں سے کون آیا اور مجھ سے کہا " نندن! تمہیں یہ احساس نہیں کہ تم بھائی کو خواہ مخواہ تنگ کر رہے ہو۔"

"میں تنگ کر رہا ہوں"؟ میں نے سوال کیا۔

یہ ناخوشگوار بات چیت جلد ہی ختم ہو گئی کیونکہ پنڈت جی کانگریس کی وردی، خاکی قمیص اور لال نیکر پہنے ہوئے تیار تھے۔ انھیں ایک تقریر کرنے گورکھپور جانا تھا۔ یہ ایک یادگار تقریر رہی اور اس کے لیے انھیں چار سال کی قید ہوئی۔

اس ناخوشگوار واقعے کے بعد میں نے اپنے ایڈیٹر کو ایک خط لکھا۔ میں نے اس خط میں سارا قصہ بیان کر دیا۔ اور ان سے صلاح مانگی کہ اب کیا کروں۔ میں نے اس

خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نیشنل ہیرالڈ سے الگ ہو جانا
چاہتا ہوں ۔

ایڈیٹر نے میری بات رد کر دی اور لکھا "بیوقوف نہ بنو
اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ابھی تک پنڈت جی کو
سمجھا ہی نہیں ۔"

میں پہلے کی طرح برابر آنند بھون جاتا رہا مگر پنڈت
جی سے ملنے سے کتراتا رہا ۔ ایک دن میں آنند بھون کے
لان (گھاس کے میدان) پر لیٹا ہوا تھا اور کسی خبر کا انتظار
کر رہا تھا ۔ نہرو جی اپنی ڈاک دیکھنے کے بعد چائے کیلئے
نیچے آئے ۔ مجھ پر نظر پڑی تو بولے "وہاں کیوں لیٹے ہو ۔؟
یہاں آؤ ۔"

میں نے دل میں کہا " میں تو چپ چاپ گھاس پر لیٹا تھا،
پنڈت جی خواہ مخواہ مجھ پر بیچ پڑے ۔ اگر آج انھوں نے مجھے
ذلیل کیا .... اگر آج انھوں نے میری توہین کی ......"
میں دل میں یہ دہراتا ہوا ان کی طرف بڑھ گیا ۔

وہ بڑی نرمی سے بولے "تمہیں سردی نہیں لگتی ؟ تم
برآمدے یا ڈرائنگ روم میں کیوں نہیں بیٹھتے ؟ آؤ ایک
پیالی چائے پی لو ۔"

میں اس واقعے کے بعد سے ڈرائنگ روم میں داخل
ہوتے ہوئے ڈرتا تھا اور برآمدے میں بیٹھتے ہوئے گھبراتا
تھا ۔ میں اس کے لیے بالکل تیار نہ تھا کہ پنڈت جی مجھے

چائے کے لیے مدعو کریں ۔ وہی پنڈت جی جن کو میں نے
اس دن بہت غصہ دلایا تھا ۔ بہر حال میں ان کے ساتھ
گیا اور جب میں ان کے برابر بیٹھ کر چائے پی رہا تھا تو میری
طبیعت خاصی پریشان تھی ۔ وہ بڑی محبت کے ساتھ مجھ
سے بات چیت کر رہے تھے اور میری حالت خراب تھی ۔
ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس واقعے کے بعد مجھے اپنے
اخبار سے الگ کر دیتا ۔ "نیشنل ہیرالڈ" کے چیرمین پنڈت
جی ہی تھے ۔ کوئی اور ہوتا تو مجھے نکال دیتا اور پھر اسکے
دماغ میں میرا خیال بھی نہ آتا ۔ مگر نہرو اوروں جیسے
کب تھے ۔ ؟

ایک مشہور سیاستداں اور جن سنگھ کے لیڈر مسٹر
شیاما پرشاد مکرجی کا کشمیر کی جیل میں انتقال ہوگیا
اس سے ملک میں ہلچل سی مچ گئی ۔ مطالبہ کیا گیا کہ فوراً
ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر ہو جو یہ جانچ کرے کہ ان کی موت
کن حالات میں ہوئی ۔ پارلیمنٹ کے حزبِ مخالف یعنی مخالف
پارٹیوں کے لیڈر وزیر اعظم سے اس سلسلہ میں ملنے گئے
کشمیر کا معاملہ بہت پیچیدہ تھا اور وہاں حالات بہت نازک
تھے ۔ شیخ عبداللہ کھل کر نہرو اور حکومت ہند کی مخالفت
کر رہے تھے ۔ مسز سچیتا کرپلانی اس وقت مخالف
پارٹی میں شامل تھیں ۔ ان کی قیادت میں ایک وفد وزیر اعظم
سے ملنے گیا ۔ دفتر میں ان کے ایک دوست موجود تھے ۔

انھوں نے ہمدردی سے یہ مشورہ دیا کہ آپ آج نہرو سے
ملاقات نہ کریں۔ کشمیر کے حالات بہت خراب ہیں اور وہ
بہت پریشان ہیں۔ مگر مسز کرپلانی نے کہا کہ کم سے کم وہ
خود تو مسٹر نہرو سے مل ہی لیں گی۔ وہ ان سے کھل کر بات
کریں گے کیونکہ پنڈت جی ان پر بھروسہ کرسکتے ہیں
اور کھل کر بات کریں گے۔ وہ نہرو جی سے ملیں۔ انھوں نے
کہا کہ کلکتہ میں مسٹر مکرجی کی ماں اور دوسرے لوگوں نے
یہ مطالبہ کیا ہے کہ اس پورے معاملے کی جانچ ہونی چاہیے
نہرو جی بپھر گئے اور اس سے مسز کرپلانی کو تکلیف ہوئی۔
انھوں نے کہا " میں تو ایک دوست کی حیثیت سے آپ سے
تعاون کرنے کے خیال سے آئی تھی لیکن تو مجھ سے میری بات
سننے کو آپ تیار نہیں ہیں تو میں یہ معاملہ پارلیامنٹ میں
اٹھاؤں گی۔" پنڈت جی کو فوراً احساس ہوگیا کہ مسز کرپلانی
ان کا ادب کرتی ہیں اور اسی لیے وہ ان کے پاس آئی ہیں۔
انھوں نے کہا " سچیتا، جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا بُرا نہ مانو
میں بہت پریشان ہوں۔ کشمیر کے حالات بہت خراب ہیں۔"
غصہ کا طوفان ختم ہوگیا۔ نہرو جی نے مخالف پارٹیوں
کے دوسرے لیڈروں سے بھی گفتگو کی اور دوستانہ ماحول
میں بات چیت ہوئی۔ وزیراعظم نے ساری صورت انھیں
اچھی طرح سمجھائی۔

نہرو جی کے مزاج میں بہت شرافت تھی۔ سیاسی اختلافات

کے باوجود وہ یہ نہ بھولتے تھے کہ آپسی تعلقات میں شرافت
بہت ضروری ہے ۔ انسانیت اور محبّت کی ان کے یہاں بہت
اہمیت تھی ۔ 1942 میں کانگریس کی مجلس عاملہ کا جلسہ ہوا
تو مسٹر راج گوپال اچاریہ سے لوگوں کو اختلاف ہوگیا۔
اس کی وجہ ان کی یہ رائے تھی کہ اگر مسلمان چاہیں تو اپنا
حصّہ ملک سے الگ کرلیں ۔ ان کی یہ بات سُن کر گاندھی جی
بھی ان سے مایوس ہوگئے ۔
اپریل 1942 میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا جلسہ الہ آباد
میں ہوا۔ اس میں مسٹر راج گوپال اچاریہ نے بھی شرکت کی۔
لوگ اچاریہ جی کے بہت خلاف ہوگئے ۔ وہ کالی جھنڈیوں
سے ان کا استقبال کرنے کا پکّا ارادہ کئے ہوئے تھے۔ ہم
میں سے کچھ لوگ راج گوپال آچاریہ جی کو لینے کے لیے گئے
مگر وہ اس گاڑی سے نہیں آئے جس سے انھیں آنا تھا۔
ہندو مہاسبھا کے کچھ لوگ کالی جھنڈیاں لیے ہوئے اسٹیشن
پر موجود تھے جو اچاریہ جی کے خلاف نعرے لگانے والے
تھے ۔ جب ہم آنند بھون پہنچے اور نہرو جی کو اس کا پتہ
چلا تو انھیں افسوس ہوا ۔ دوبارہ جب ہم انھیں لینے کے لیے
اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے تو پنڈت جی بھی کار میں بیٹھ
گئے حالانکہ آنند بھون میں ان کی مصروفیت بہت زیادہ
تھی ۔ بیٹھتے وقت انھوں نے کہا " دیکھتے ہیں الہ آباد میں
راج گوپال آچاریہ کا کالی جھنڈیوں سے استقبال کون

کرتا ہے۔"

ہمیں ڈر تھا کہ پنڈت جی اسٹیشن پہنچ گئے تو وہاں سے کوئی بُرا واقعہ پیش آسکتا ہے۔ ہم میں سے کچھ لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ اسٹیشن نہ جائیے۔ آپ کا وہاں جانا ضروری نہیں ہے۔ ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ اسٹیشن پر مہا سبھائیوں کا رویّہ دیکھ کر انھیں غصّہ آئے گا اور حالات بگڑ جائیں گے مگر انھوں نے یہ کہہ کر ہماری درخواست رد کردی "تم سمجھتے ہو میں ان سے ڈرتا ہوں"؟

پنڈت جی اسٹیشن گئے اور وہاں بُرے بُرے منظر دیکھنے میں آئے جیسا کہ ہمیں پہلے سے اندیشہ تھا۔ مجھے خوب یاد ہے انھوں نے مجھ سے ان لوگوں کے نام مانگے جو اس مظاہرے کے پیچھے تھے اور میں نے نام دے دیے۔ پنڈت جی نے کئی لوگوں سے کالی جھنڈیاں چھین لیں اور ان جھنڈیوں کے ڈنڈوں سے ہی کچھ لوگوں کی ہلکی سی پٹائی بھی کردی۔ پلیٹ فارم پر ہلڑ سا مچ گیا اور کچھ بہت افسوسناک واقعات پیش آئے۔ جب نہرو جی کا سامنا اس مظاہرے کے لیڈر سے ہوا تو انھوں نے گرج کر کہا "تمہیں الہ آباد میں میرے مہمان کی توہین کرنے کی مجال ہوئی ہے۔ آئندہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ بس چُپ رہو۔"

سبھائی لیڈر نے پنڈت جی سے تکرار کی۔ کچھ طلبار اور کچھ قلیوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ شخص پنڈت جی کی توہین کررہا ہے

ان لوگوں کو غصہ آگیا اور وہ ڈنڈوں اور گھونسوں سے اسکی پٹائی کرنے لگے ۔ اب پنڈت جی کو افسوس ہوا اور وہ بوکھلا سے گئے ۔ سبھائی لیڈر کو گھونسوں سے بچانے کے لیے ہم لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے اس کے سر پر چھتری سی بنادی اور کسی طرح اسے بچا لیا ۔ یہ شخص بری طرح زخمی ہوگیا تھا ۔ اس کو بچانے میں نہرو جی کے ہاتھوں پر بھی ضرور چوٹ آئی ہوگی ۔ میری انگلیاں اور کلائیاں متو خراشوں سے بھر گئی تھیں ۔

اس موقع پر بڑی گرماگرمی رہی اور بہت سے مظاہرین کی پٹائی ہوئی ۔ راج گوپال اچاریہ اس گاڑی سے بھی نہ آئے ۔ ان کے خلاف مظاہرہ کرنے والوں کو بھی اتنی ہی مایوسی ہوئی جتنی ہم لوگوں کو ۔ آخر جب دوسری کسی ٹرین سے اچاریہ جی اُترے تو ان کے خلاف کوئی مظاہرہ نہ ہوا ۔

سبھا کا جو لیڈر زخمی ہوا تھا اسے الہ آباد میں بڑی مقبولیت حاصل تھی ۔ کچھ لوگوں کو نہرو کے ردیہ پر بہت غصہ تھا مگر انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ اس لیڈر کی پٹائی میں پنڈت جی کا کوئی ہاتھ نہ تھا ۔ بلکہ انھوں نے متو اس لیڈر کو بچانے کی کوشش کی تھی ۔ یہ تو غصے میں بھرا ہوا مجمع تھا جو اس شخص پر حملہ آور ہوگیا تھا ۔ بعد میں پنڈت جی نے اس لیڈر کے نام معذرت کا خط لکھا

اور اس کے زخمی ہو جانے پر افسوس کا اظہار کیا۔

زیادہ تر لیڈر تو اس موقع پر راج گوپال اچاریہ کو تنہا چھوڑ دیتے کہ وہ اپنے کیے کی سزا بھگتیں اور دیکھیں کہ ملک کے بٹوارے کے سلسلہ میں ان کی رائے کو لوگ کتنا پسند کرتے ہیں۔ مگر نہرو نے یہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ انھیں اس بات کا خیال تھا کہ اچاریہ جی ان کے وطن الہ آباد آر ہے ہیں اور ان کے مہمان ہیں۔ اگر مہمان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں ہوتا تو یہ نہرو کی اپنی توہین ہے۔

نہرو کے بارے میں یہ کہا جاتا رہا ہے کہ وہ بہت جلد غصّہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات ان کے غصّہ سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی تھی۔ پنڈت جی کو خود اس کا احساس تھا کہ یہ ان کی کمزوری ہے۔ اس کے لیے وہ اکثر معذرت بھی چاہتے تھے۔ ان کا غصّہ دیر تک نہ رہتا تھا اور وہ جان کر کسی کو تکلیف پہنچانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اپنی اس کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

"مجھے افسوس ہے میں بھی کمزوریاں رکھنے والا ایک آدمی ہوں۔ میں اکثر غلطیاں کرتا ہوں اور سخت الفاظ استعمال کر جاتا ہوں مگر میری غلطیوں کو لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں اور میرے غصّے کو بھلا دیتے ہیں"۔

پنڈت جی کی حفاظت کے لیے جو انتظامات کیے جاتے

تھے ان سے وہ اکثر جھنجھلا جاتے تھے ۔ جب وہ لوگوں کا مجمع دیکھتے تھے تو اس میں جانا اور ان لوگوں کے ساتھ گھومنا پھرنا چاہتے تھے ۔ لیکن وہ جس طرح لوگوں کے ساتھ گھلنا ملنا چاہتے تھے اس طرح نہ مل سکتے تھے ۔ لوگ انھیں دیکھنے کے لیے سڑک کے دونوں طرف قطار باندھے کھڑے ہوتے تھے تو وہ بند کار میں بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے ۔

8 ر اگست 1955 کو وہ بمرولی کے ہوائی اڈے پر اترے وہاں ایک بڑی گاڑی انھیں لے جانے کے لیے پہلے سے موجود تھی ۔ اُسے دیکھ کر انھوں نے غصّے سے سوال کیا: "یہ کیا ہے ؟ کیا کوئی کھلی گاڑی نہیں ہے ؟ ہمیشہ غلط انتظامات ہوتے ہیں ۔ کیا کوئی جیپ نہیں ہے ؟ اس بند گاڑی میں تو میرا دَم گھُٹے گا ۔ آئندہ تم لوگ مجھے بند تابوت میں رکھ کر لے جایا کروگے"؟

ہوائی اڈے پر موجود افسران پریشان ہوگئے ۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں ۔ وزارتِ داخلہ کی صاف ہدایت تھی کہ جہاں تک ممکن ہو انھیں کھُلی کار میں نہ لے جایا جائے ۔ بہرحال فوراً ایک جیپ کا بندوبست کیا گیا ۔ اس جیپ کی چھت کا کچھ حصّہ رہنے دیا گیا کچھ تیزی کے ساتھ ہٹا دیا گیا ۔ آنند بھون جانے کے لیے پنڈت جی کو کھُلی جیپ مہیّا کردی گئی تو ان کا غصّہ دُور ہوگیا پنڈت جی جیپ میں سوار ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ

کلکٹر صاحب بڑے موٹے تازے آدمی ہیں۔ پنڈت جی نے ان سے کہا "کیا آپ پچھلی سیٹ پر نہیں بیٹھ سکتے ؟" وہ "بہت بہتر جناب" کہہ کر پیچھے جانے لگے مگر اس کوشش میں ان کا سر لوہے کی ایک چھڑ سے ٹکرا گیا۔ نہرو جی کو شاید خیال تھا کہ اتنا موٹا آدمی اس طرح پیچھے جائے گا تو اس کے چوٹ ضرور لگے گی۔ وہ اس کا سر ٹکرانے پر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ باقی لوگ بھی ہنسنے لگے۔ کلکٹر بیچارہ بوکھلا کر رہ گیا۔

اسی شام کو پنڈت جی تقریر کرکے لوٹ رہے تھے تو وہی چھڑ خود ان کے سر میں لگی۔ رات کو آنند بھون میں جب نہرو جی کی کلکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے سر کی چوٹ کا حال پوچھا۔ یہاں پھر سب ہنسنے لگے تھوڑی دیر میں لوگوں نے دیکھا کہ دونوں ایک دوسرے کو اپنی اپنی چوٹ دکھا رہے ہیں۔ حاضرین یہ سماں دیکھ کر مسکرانے لگے۔

لایق رہنما

ایک بار سر اسٹیفورڈ کرپس پنڈت نہرو کے ساتھ الہ آباد یونیورسٹی گئے۔ یہاں انھیں طالب علموں کے سامنے تقریر کرنا تھی۔ معزز مہمان کو سننے کے لیے ایک بھاری

مجمع موجود تھا ۔ سر کرپس نے اپنی جیب سے کاغذ کا ایک پُرزہ نکالا ۔ اسے بار بار دیکھتے جاتے اور تقریر کرتے جاتے ان کی تقریر کا مجمع پر کوئی خاص اثر نہ ہوا ۔ پنڈت جی کی تقریر کا کوئی پروگرام نہ تھا مگر مسٹر کرپس کی تقریر کے بعد لڑکوں نے پنڈت جی سے تقریر کی درخواست کی ۔ جب اصرار بہت بڑھا اور چاروں طرف سے نعرے لگنے لگے کہ "ہم آپ کی تقریر سننا چاہتے ہیں ، ہمیں مایوس مت کیجئے" تو انھیں راضی ہونا پڑا ۔

لڑکوں کی ضد پر نہرو جی ہنسے اور نہ چاہتے ہوئے بھی کھڑے ہو گئے ۔ طالب علموں کے اصرار کے بارے میں انھوں نے محبت بھرے انداز میں شکایت کی کہ ان کا تقریر کرنے کو جی نہیں چاہ رہا ۔ مگر وہ نہیں مانتے ۔ اس کے بعد انھوں نے انگریزی میں تقریر کی اور حاضرین نے بڑی توجہ سے ان کی تقریر کو سُنا ۔ یہ تقریر بہت ہی شاندار تھی ہمیں اپنے لیڈر پر بہت فخر ہوا ۔ ایک بار پھر ہمیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ ہمارا لیڈر کتنا عظیم اور کتنا لائق ہے ۔

تنہائی

کاموں کے ایسے ہجوم اور دوستوں کی ایسی کثرت کے باوجود نہرو کو تنہائی کا احساس رہتا تھا ۔ ان کے ساتھی

کہا کرتے تھے کہ پنڈت جی کا کوئی ایسا دوست نہیں جس سے وہ پوری طرح کھل کر اپنے دل کی بات کہہ سکیں۔ ایک بار آنند بھون میں ایک امریکی جوڑا ان سے ملنے گیا۔ پنڈت جی نے ان سے گفتگو کی۔ جب وہ دونوں باہر آئے تو میں نے یہ معلوم کیا کہ پنڈت جی کے بارے میں انھوں نے کیا رائے قائم کی ہے۔ انھوں نے کہا " مسٹر نہرو کو اپنی تنہائی کا زبردست احساس ہے۔ ہمارے خیال میں ایسا کوئی نہیں ہے جس سے وہ دل کھول کر بات کر سکیں"۔

ساری دنیا میں نہرو کے بے شمار دوست تھے لیکن وہ خود کو بہت تنہا محسوس کرتے تھے۔ بیوی کی موت کے بعد سے یہ تنہائی برابر قائم رہی۔ وہ کتنے ہی بڑے مجمع میں کیوں نہ ہوں خود کو تنہا پاتے تھے۔

کملا کی زندگی میں نہرو کو قومی کاموں میں اتنا وقت دینا پڑتا تھا کہ وہ ان کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار سکتے تھے کملا کی موت کے بعد انھیں اندازہ ہوا کہ کملا نے ان کی زندگی پر کتنا اثر ڈالا تھا۔ جو کملا کو جانتے تھے ان کا خیال ہے کہ وہ اگر زندہ رہی ہوتیں تو نہرو کی زندگی مختلف رہی ہوتی۔ کملا کے بعد نہرو نے دوسری شادی نہیں کی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے ملک کے لوگ جو انھیں سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ بڑے پرانے خیال کے لوگ ہیں۔ یہ لوگ ان کی دوسری شادی کو پسند نہیں کریں گے۔

مسز ہتی سنگھ نے ایک اور بات لکھی ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ نہرو کی عمر کم تھی پھر بھی انھوں نے شادی نہیں کی وہ اس لیے کہ ایسا کرنا شاید اندرا کے ساتھ زیادتی ہوتی ۔

پنڈت نہرو نے اپنی بیوی کے بارے میں لکھا ہے :۔

"وہ بڑی حساس تھی اور اپنی عزت کا خیال رکھتی تھی ۔ وہ اگر مجھ سے مدد چاہتی تو میں اتنی مدد کرتا جتنی شاید کوئی اور نہ کر سکتا تھا مگر اس نے کبھی مجھ سے مدد نہیں مانگی آزادی کی لڑائی میں وہ اپنے طور پر حصہ لینا چاہتی تھی ۔ اسے یہ پسند نہ تھا کہ وہ اپنے شوہر کی پرچھائیں بن کے رہ جائے ۔ وہ اپنی ہستی کو خود اپنے آپ سے اور ساری دنیا سے منوانا چاہتی تھی ۔ کملا کی اس خواہش سے مجھے جتنی خوشی ہوتی ہے اتنی شاید کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتی ۔ مگر میں اتنا مصروف تھا کہ میری نظریں اندر کی چیز نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اُسے جس چیز کی چاہت تھی میری آنکھیں اس تک پہنچ ہی نہ سکیں ۔

اس کی صحت خراب تھی مگر اس کی آنکھیں آنے والے زمانے پر لگی ہوئی تھیں ۔ اس کی آنکھوں

میں بلا کی چمک تھی اور اس کے چہرے سے خوشی
ٹپکتی تھی ۔ جو خوشی میں اس سے پا سکتا تھا وہ
میں نے اس سے پالی مگر اس کے بدلے ان
برسوں میں میں نے اسے کیا دیا ؟ میں اسے کچھ
بھی تو نہ دے سکا اور اس کا احساس شاید
وہ اپنے ساتھ لے گئی ۔

اس کی باقاعدہ تعلیم نہیں ہوئی تھی ۔ وہ
بس تھوڑے دنوں اسکول گئی تھی ۔ تعلیم دماغ پر
جو اثر چھوڑتی ہے وہ اس سے محروم رہی تھی
اس نے ہمارے گھر میں قدم رکھا تو وہ ایک
سیدھی سادی سی لڑکی تھی ۔ آج کل جس طرح
کا گھمنڈ عام ہے وہ اس میں بالکل بھی نہ تھا۔
اس کے چہرے پر جو بچوں کا سا بھولا پن تھا
وہ آخر وقت تک باقی رہا ۔ مگر عمر بڑھنے کے
ساتھ اس کی آنکھوں میں گہرائی اور آگ کی سی
چمک پیدا ہو گئی ۔ اس کی آنکھوں میں اُن
خاموش چشموں کی سی کیفیت تھی جن کی تہ میں
طوفان چھپے ہوتے ہیں ۔ وہ آج کے زمانہ کی لڑکیوں
کی طرح نہ تھی ۔ نہ تو اس میں ماڈرن لڑکیوں کی
سی عادتیں تھیں اور نہ ان کا سا دکھاوا ۔ پھر بھی
وہ مناسب جدید چیزوں کو آسانی سے اپنا لیتی

تھی ۔ مگر اصلیت میں تو وہ ایک ہندوستانی لڑکی
تھی۔ بلکہ ایک کشمیری لڑکی ــــ حساس ، ذرا
سی مغرور ، بچوں کی طرح بھولی مگر ساتھ ہی تجربہ کار
ہوشیار بھی اور ناسمجھ بھی ۔ جن کو وہ جانتی نہ تھی
یا جنھیں وہ پسند نہ کرتی تھی ان سے وہ کھنچی کھنچی
رہتی تھی مگر جنھیں وہ پسند کرتی تھی یا جنھیں وہ
جانتی تھی ان کے سامنے بے تکلف اور خوش۔
وہ جلدی فیصلہ کرتی تھی جو ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا تھا
لیکن اس کی اپنی پسند ناپسند ہوتی تھی۔ اس
میں بناوٹ بالکل نہ تھی ۔

اگر اسے کوئی اچھا نہ لگتا تھا تو اس کا صاف
پتہ لگ جاتا تھا ۔ اس بات کو وہ چھپانے کی
کوشش بھی نہ کرتی تھی ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی
رائے چھپانے کی کوشش کرتی تو بھی کامیاب نہ
ہوتی ۔ اس کے سوا میں کسی اور کو نہیں جانتا جس نے
مجھ پر اپنے خلوص کا ایسا گہرا اثر چھوڑا ہو جیسا
اس نے ......

اس کے بعد میں خود کو کھوکھلا اور بے مقصد
محسوس کرتا تھا ۔ میں تنہا اپنے گھر کو لوٹ رہا
تھا جسے اب میں اپنا گھر بھی نہ کہہ سکتا تھا ۔
میرے برابر میں ایک ٹوکری رکھی تھی ۔ اور اس

میں کملا کی راکھ کا برتن تھا۔ کملا کی اب صرف یہ
نشانی رہ گئی تھی۔ سارے سندر سپنے مر گئے تھے۔
سارے ارمان خاک میں مل گئے تھے۔ اب وہ
اس دنیا میں نہیں۔ میرا دل بس یہی بات بار
بار کہتا رہا......

بیتے ہوئے دن کبھی کبھی میرے سامنے
آ کھڑے ہوتے اور کملا بالکل میرے پاس
ہوتی۔ میرے لیے وہ ہندوستانی عورت، بلکہ
عورت کا نمونہ تھی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ اپنے دیس
کے بارے میں میرا خیال اور کملا دونوں گھل
مل جاتے۔ میرا دیس جو اتنی بہت سی
بُرائیوں کے ساتھ بھی مجھے اتنا عزیز ہے، اتنا
پیارا، وشال اور عجیب! کملا کیا تھی؟ کیا
میں نے اسے جانا، اس کی اصلیت کو سمجھا؟
کیا اس نے مجھے جان لیا اور سمجھ لیا تھا؟
میں بھی تو عجیب آدمی ہوں۔ بالکل ابنارمل!
جس کی گہرائی کو جاننا اور سمجھنا میرے بس کی
بات نہیں"۔

پنڈت نہرو نے اپنی آپ بیتی میں جہاں اپنے والد کے
موت کا ذکر کیا ہے وہاں وہ کافی جذباتی ہو گئے ہیں
لکھتے ہیں:۔

" میرے لیے یہ سمجھ لینا مشکل ہو گیا تھا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ تین مہینے بعد میں اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ لنکا گیا وہاں نوارا الیا میں ہم لوگ سکون اور آرام کے ساتھ وقت گزار رہے تھے۔ مجھے یہ جگہ اچھی لگی اور فوراً یہ خیال آیا کہ یہ مقام پتاجی کے لیے بھی عمدہ رہے گا۔ انھیں بھی کیوں نہ یہیں بلالوں وہ تھک گئے ہوں گے۔ ان کے لیے آرام اچھا رہے گا۔ میں الہ آباد کے پتہ پر انھیں تار بھیجنے والا ہی تھا"

قید کے دن

نہرو نے نینی سینٹرل جیل سے اپنی بیٹی کو لمبے لمبے اور دل چسپ خط بھیجے۔ یہ خط ان کی کتاب "دنیا کی کہانی" میں شامل ہیں۔ پہلے خط میں اندرا کی تیرھویں سالگرہ پر انھوں نے لکھا تھا۔ " تمھیں اپنی سالگرہ پر دعائیں اور تحفے وصول کرنے کی عادت ہے۔ دعائیں تو اب بھی تم انگنت پاؤگی لیکن قیدخانے کے اندر سے میں تمھیں کیا تحفہ بھیج سکتا ہوں؟ میرے تحفے ٹھوس نہیں ہو سکتے۔ یہ صرف خیالی ہو سکتے ہیں۔ جیسے خوبصورت پریاں تمھیں

دیتی رہی ہوں گی ۔ مطلب یہ کہ کوئی ایسی چیز جسے قید خانے
کی دیوار روک نہ سکے"۔
نینی جیل کے اندر نہرو کو اکثر گھر ، خاندان اور اپنے ان
ساتھیوں کی یاد آتی تھی جو جیل سے باہر آزادی کے لیے لڑائی
لڑ رہے تھے ۔ جیل کے اندر سے لکھے گئے خطوں میں انکے
بارے میں نہرو نے اپنے دل کی بہت سی باتیں کہی ہیں ۔
انھوں نے لکھا ہے :۔

"یہاں جیل کے اندر میں نے ایسی بہت سی
چیزیں پڑھ یا لکھ لیں جن کو میرا جی چاہتا تھا مگر
وقت نہیں ملتا تھا ۔ مگر میرا ذہن اِدھر اُدھر بھٹکنے
لگتا ہے اور مجھے آزادی کی اس جدّ و جہد کا خیال
آجاتا ہے جو باہر ہو رہی ہے ۔ مجھے اُن کاموں کا
خیال آتا ہے جو دوسرے لوگ کر رہے ہیں اور میں
سوچنے لگتا ہوں کہ اگر میں ان کے ساتھ ہوتا
تو میں کیا کرتا ۔ کیسی حیرت کی بات ہے کہ ہم
اتنے پاس پاس ہوتے ہوئے بھی کتنے دُور
ہیں ۔ مسوری میں تم مجھ سے کچھ سو میل دور تھیں
پھر بھی جب جب میرا جی چاہتا تھا میں تمہیں
خط لکھتا تھا اور جب تمہیں دیکھنے کو بہت جی
چاہتا تھا تو دوڑ کر تمہارے پاس جا پہنچتا تھا۔
لیکن اب ہم تم کتنے قریب ہیں ۔ جمنا کے اِس

کنارے پر میں ہوں اور اُس کنارے پر تم ہو
لیکن نینی جیل کی اونچی اونچی دیواروں نے ہم
دونوں کو بالکل جُدا کر دیا ہے ۔
اس وقت تم آنند بھون میں ہو، ممی ملاکا
جیل میں اور میں یہاں نینی جیل میں ۔ ہم کبھی
کبھی ایک دوسرے کی کمی محسوس کرتے ہیں ۔
کبھی ایک دوسرے کو بہت یاد کرتے ہیں۔ کیوں'
ایسا ہوتا ہے نا ؟ ذرا اس دن کا خیال کرو
جب ہم تینوں ملیں گے ۔ مجھے اس دن کا
انتظار ہے ۔ اس دن کا تصوّر ہی میرے غم
کو ہلکا اور دل کو خوش کرنے کو کافی ہے"۔

نہرو نے جیل میں کبھی ہار نہیں مانی اور اس امید
نے کسی دن دَم نہیں توڑا کہ دیس ایک دن آزاد ہوگا۔
غموں اور دُکھوں کے لمحوں میں اس امید نے ہمیشہ سہارا
دیا ۔ تحریک آزادی کا نعرہ " انقلاب ــــ زندہ باد" ان
کے دل کو جیل کے اندر بھی اسی طرح گرماتا تھا جس طرح
جیل کے باہر گرمایا کرتا تھا ۔ نہرو نے اپنے ایک خط میں
لکھا ہے :-

"آج میں بیٹھا ہوا تمہیں خط لکھ رہا تھا تو
مدّہم سے نعروں کی آواز سنائی دی ۔ جیسے دُور
کہیں بادل گرج رہے ہوں ۔ شروع میں یہ سمجھ

میں نہ آیا کہ لوگ کیا نعرے لگا رہے ہیں مگر ان
نعروں کی لے جانی پہچانی سی لگی ۔ ان کی گونج
میرے دل میں سنائی دینے لگی اور میرا دل
بھی ان میں شریک ہوگیا ۔ رفتہ رفتہ آواز
اُونچی ہوتی گئی اور نعرے قریب آتے گئے ۔ اب
کوئی شبہ نہ رہا کہ یہ نعرے تھے 'انقلاب
زندہ باد'! ان آوازوں سے قید خانہ گونج اٹھا
اور ہمارے دلوں کو عجب خوشی حاصل ہوئی ۔
مجھے نہیں معلوم کہ آزادی کے لیے نعرے لگانے
والے جو جیل کے باہر موجود تھے کون تھے ۔ یہ
شہر کے مرد عورت تھے یا کسان مزدور ۔ نہ یہ پتہ
کہ آج یہ نعرے کیوں لگائے جا رہے ہیں ۔ خیر
کچھ بھی سبب ہو ۔ ان نعروں سے ہمارے دلوں
کو خوشی نصیب ہوئی ۔ ہم نے خاموشی سے اس
محبّت کا جواب دیا اور ان لوگوں کو دعائیں دیں"۔

سارے قیدیوں کی طرح نہرو بھی ملاقات کے دن کا بے چینی
سے انتظار کیا کرتے تھے ۔ جو لوگ قید کی زندگی گزار چکے
ہیں صرف وہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس دن کی ایک قیدی
کے لیے کیا اہمیت ہو سکتی ہے ۔ پنڈت نہرو ایک خط میں
لکھتے ہیں :-

" قسمت اچھی ہے تو شاید کل ہم سب سے

ملاقات ہو۔ کل ملاقات کا دن ہے اور قید خانے
میں ملاقات کا دن بڑا اہم دن ہوتا ہے۔ میں نے
دادو (پنڈت موتی لال نہرو) کو تقریباً دو مہینے
سے نہیں دیکھا۔ امید ہے کل اُن سے ملاقات
ہوگی اور میں یقین کر سکوں گا کہ واقعی اب وہ بہتر
ہیں۔ تمہیں میں پندرہ دن کے لمبے عرصہ کے بعد
کل دیکھوں گا۔ تم ممی اور اپنی خیریت سناؤگی۔"

اس دن یہ عزیز نہ آسکے اور نہرو جی کو بہت مایوسی
ہوئی۔ اگلے دن انھوں نے لکھا " آج تم میں سے کوئی
ملنے نہیں آیا اور ملاقات کا دن خالی گیا۔ معلوم یہ ہوا کہ دادو
کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

دو دن کے بعد موتی لال نہرو اور دوسرے عزیز نینی جیل
میں نہرو سے ملنے کے لیے آئے۔ اس کے اگلے دن نہرو
نے خط میں لکھا:۔

" خوشی کی بات ہے کہ کل تم سب سے ملاقات
ہوگئی مگر دادو کو دیکھ کر مجھے بہت صدمہ ہوا
وہ کتنے کمزور اور بیمار لگ رہے تھے۔ ان کی
خوب دیکھ بھال کرو اور انھیں پھر سے تندرست
اور طاقتور بنادو۔ کل میں تم سے اچھی طرح
بات ہی نہ کر سکا۔ مختصر سی ملاقات میں آدمی
کیا بات کرے۔ ملاقات میں ہم جو باتیں کرسکے

ان کی کمی میں ان خطوں سے پوری کرنے کی
کوشش کر رہا ہوں۔ مگر یہ خط پوری طرح
ملاقات کا بدل نہیں ہیں۔ یہ ایک طرح کا فریب
ہے جو زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتا مگر کبھی کبھی
خود کو دھوکا دینا ہی پڑتا ہے۔"

باہر کی دنیا کی باتیں قیدیوں کے لیے بڑی خوشی کی باتیں
ہوتی ہیں۔ قید خانے کی کوٹھریوں پر سے گزرنے والا طیّارہ
بھی قیدیوں کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ پنڈت جی
نے لکھا ہے:۔

"نینی جیل کے اندر ایک خوشی کبھی کبھی یہ میسّر
آجاتی ہے کہ ہمارے سروں پر سے کوئی طیّارہ پرواز
کرتا ہوا نکل جاتا ہے۔ کبھی کبھی ہماری قسمت ایسی
اچھی ہوتی ہے کہ سردیوں میں صبح ہی صبح جب اندھیرا
ہوتا ہے اور آسمان پر تارے پھیلے ہوتے ہیں تو
کوئی طیّارہ نظر آجاتا ہے۔ صبح سویرے کے
تاریک آسمان پر اُڑتا ہوا ہوائی جہاز بہت
پیارا لگتا ہے۔"

نہرو جی نے جیل کا ایک اور مزیدار نقشہ کھینچا ہے۔ "نینی
میں ہزاروں توتے ہیں۔ بہتوں نے میری کوٹھری کے موکھلوں
میں اپنے گھونسلے بنا لیے ہیں۔ وہ جب آپس میں لڑتے ہیں
تو عجب سماں ہوتا ہے۔ دو لڑ رہے ہیں، دو تماشا دیکھ

رہے ہیں "

ایک اور جگہ لکھا ہے " قید خانے میں مجھے کچھ عجیب عادتیں پڑ گئی ہیں ان میں ایک عادت صبح سویرے اٹھنے کی ہے ۔ میں تڑکے سے بھی پہلے اُٹھ جاتا ہوں ۔ مجھے دن نکلنے کا سماں ، اجالے کا پھیلنا اور ستاروں کا ایک ایک کرکے گم ہوجانا بڑا اچھا لگتا ہے ۔ میں نے اکثر چاندنی اور صبح کے اجالے میں مقابلہ ہوتے دیکھا ہے جس میں جیت ہمیشہ صبح کے اُجالے کی ہوتی ہے "

نہرو نے اپنی زندگی کے بہت سے قیمتی سال نینی سینٹرل جیل میں گزارے ۔ قید خانے سے باہر آزادی کی جو جنگ جاری تھی اس سے بہت دنوں انھیں الگ رہنا پڑا ۔ اس بات سے انھیں بہت تکلیف پہنچی ہوگی ۔ قید کے دن بہت بے مزہ اور تھکا دینے والے تھے مگر انھوں نے خود کو پڑھنے ، لکھنے ، کتائی کرنے اور باغبانی وغیرہ کے کاموں میں مصروف رکھا ۔ یہ دن ایسے تھے جنھوں نے نہرو کے دل کو بہت تکلیف پہنچائی ۔

کیا آپ جواہر لال کو جانتے ہیں ؟

ایک بار ایونگ کرسچین کالج الہ آباد میں ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت مسٹر لال بہادر شاستری نے کی ۔ میں نے

بھی اس جلسہ میں تقریر کی ۔ میری تقریر کا موضوع تھا "کیا آپ جواہر لال نہرو کو جانتے ہیں ؟" میں نے نہرو سے متعلق بہت سی کہانیاں سُنائیں ۔ مسٹر شاستری کو بھی نہرو کی زندگی سے متعلق بہت سے دلچسپ واقعات یاد آئے۔

شاستری جی بتایا کہ 1937 کے عام انتخاب سے ایک دن پہلے نہرو مرزاپور کے ایک بڑے پبلک جلسے میں تقریر کرنے گئے ۔ انھوں نے دیکھا کہ لاوڈ اسپیکر کا بندوبست نہیں کیا گیا اور لوگ ڈائس کی طرف دوڑے چلے آرہے تھے ۔ وہ منتظمین پر بگڑے اور ان سے کہا کیا آپ کو پتہ نہیں کہ اس دنیا میں ایک چیز ہوتی ہے۔ جسے لوگ لاوڈ اسپیکر کہتے ہیں ؟ کیا آپ نے کبھی یہ چیز نہیں دیکھی ۔ میں لاوڈ اسپیکر کے بغیر اتنے بڑے جلسے میں کیسے تقریر کرسکوں گا ؟"

مقامی لیڈر جو مرزاپور میں موجود تھے پریشان ہوگئے لیکن اس سے کیا فائدہ ہو سکتا تھا ۔ لوگ دوڑ دوڑ کے اسٹیج پر پہنچتے رہے اور وہاں قدم رکھنے کی جگہ بھی نہ رہی انسانی سروں کا ایک سمندر نظر آتا تھا ۔ نہرو کو مجمع کی اس حرکت پر غصہ آنے لگا ۔ وہ لوگوں کے سروں پر سے پھلانگتے ہوئے اِدھر اُدھر جانے لگے ۔ لوگ سمجھ گئے کہ پنڈت جی ناراض ہوگئے ہیں اور وہ غصے میں جلسے سے واپس جارہے ہیں ۔ آخر ہر طرف سے "بیٹھ جاؤ ۔ بیٹھ جاؤ" کی

آوازیں آنے لگیں ۔ ذرا سی دیر میں سب سکون سے مناسب جگہ بیٹھ گئے اور پنڈت جی نے تقریر کی ۔

پنڈت جی نے لوٹتے میں شاستری جی سے کہا :۔
"آج تم نے میرا ہنر دیکھا ؟ میں نے مجمعے پر کیسی آسانی سے قابو پا لیا ؟"

شاستری جی نے جواب دیا "ہاں ، مجھے بڑی حیرت ہوئی مگر آپ چپل پہنے ہوئے تھے ۔ یہ مجھے بُرا لگ رہا تھا کیونکہ آپ جُوتا پہنے پہنے لوگوں کے سروں پر پھلانگ رہے تھے۔"

نہرو نے کہا " جوتے کی وجہ سے مجھے بھی لگ تو عجیب رہا تھا لیکن میں کر بھی کیا سکتا تھا ۔ میں غصّے میں تھا اور سب بھُول گیا تھا۔"

شاستری جی نے ایک قصّہ اور سُنایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دوسروں کا کتنا خیال رکھتے تھے ۔ 1937 میں الیکشن کے سلسلہ کے ایک جلسے کے بعد نہرو جی کچھ لوگوں کے ساتھ الہ آباد لوٹ رہے تھے ۔ کار وہ خود چلا رہے تھے ۔ جاڑوں کے موسم کی ایک سرد رات تھی ۔ چاروں طرف کُہر چھائی ہوئی تھی ، گاڑی چلانا مشکل تھا لیکن انھوں نے یہ طے کیا کہ ہر ایک کو اس کے گھر پہنچائیں گے ۔ اچانک ایک گائے نے راستہ کاٹا ۔ نہرو نے بچانے کی بہت کوشش کی لیکن کار گائے سے ٹکرا گئی ۔ اور اس کا ایک سینگ ٹوٹ گیا ۔ اندھیرا تھا

اور شاید کسی نے یہ ٹکر ہوتے ہوئے نہ دیکھی تھی لیکن
انھوں نے گائے کے مالک سے ملاقات کرنے کے لیے
گاڑی روک لی۔ ذرا دیر بعد کچھ لوگ ادھر سے گزرے
انھوں نے نہرو کو اس حادثہ کے بارے میں پریشان
دیکھا تو کہا پریشان نہ ہوں اور اپنا سفر جاری رکھیں۔ مگر
انھوں نے اپنا سفر اس وقت تک شروع نہ کیا جب
تک ان لوگوں نے وعدہ نہ کر لیا کہ وہ گائے کے مالک
کو اگلے دن آنند بھون بھیج دیں گے۔ جب گائے
کا مالک نہرو سے ملا تو انھوں نے گائے کی مرہم پٹی
کے لیے کافی رقم دی۔

کتنا خیال رکھنے والے

بہت سے لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ نااہل اور
نکمے لوگوں کو نہرو جی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ان کے
ساتھ کام کرنے والے اور ان کے نزدیک رہنے والے
جانتے تھے کہ یہ عیب انھیں کتنے ناگوار تھے۔ یہ لوگ
اپنے کام میں ہر وقت پوری طرح چوکس رہتے تھے،
تاکہ اپنی محنت اور اپنے کام سے وہ پنڈت جی کی کسوٹی
پر کھرے اتریں۔

ایک دن پنڈت جی اپنے مکان میں تھے۔ کسی کام

کے سلسلہ میں انھیں اپنے سکریٹری مسٹر ایس۔ ڈی۔ اپادھیائے کی ضرورت پیش آئی۔ وہ اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔ انھیں اطلاع کرائی گئی کہ پنڈت جی انھیں بلا رہے ہیں۔ اس وقت وہ کھانا کھا رہے تھے۔ اپادھیائے جی کھانا چھوڑ کے آنند بھون کی طرف بھاگے اس وقت ان کا حلیہ عجیب ہو رہا تھا۔ ان کا دُبلا پتلا بدن ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں آگے پیچھے اور دائیں بائیں جھول رہا تھا اور ان کے لیے تیز چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ جب وہ نہرو جی کے سامنے پہنچے تو ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور ان کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"آپ دوڑتے ہوئے کیوں آئے؟" پنڈت جی نے سوال کیا۔

مسٹر اپادھیائے نے بتایا کہ وہ یہاں موجود نہیں تھے، کھانا کھانے گھر گئے ہوئے تھے اور بلانے پر بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ اور یہ کہ اسی لیے انھیں ذرا سی دیر بھی ہوگئی

اس پر پنڈت جی نے یہ جاننا چاہا کہ وہ کھانا بھی کھا چکے تھے یا نہیں۔؟

اس پر اپادھیائے جی کچھ شرمائے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے ان کے چہرے پر کچھ گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے پھر ذرا ہچکچاہٹ کے بعد انھوں نے بتایا کہ وہ کھانا نہیں کھا پائے تھے۔ مگر اس کی کچھ جلدی بھی نہیں۔

پنڈت نہرو کو اس خیال سے افسوس ہوا کہ ان کے سکریٹری کو پریشانی ہوئی اور انھیں کھانا کھائے بغیر آنا پڑا۔ انھوں نے کہا:

جلدی نہ کیا کیجیے۔ آیندہ اگر آپ کو بلایا جائے اور آپ کھانا کھا رہے ہوں تو کھانا کھانے کے بعد آیئے۔"

اس میں شک نہیں کہ پنڈت نہرو کو مستعدی پسند تھی مگر انسان کی سہولت کا وہ ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔

ہمدردی کا جذبہ

ڈنمارک کی ایک خاتون مس اننا اورن شالٹ کچھ عرصہ تک آنند بھون میں مسز وجے لکشمی پنڈت کے بچّوں کی نگراں اور اتالیق (استانی) رہی تھیں۔ اکثر انھیں گھر کے سارے معاملات کی دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی۔ اس طرح انھیں گھر کے نوکروں سے بھی سابقہ پڑتا تھا۔ ان نوکروں کی عادتیں پہلے ہی بگڑی ہوئی تھیں۔

ایک دن ڈرائیور نے ان خاتون سے بدزبانی کی۔ دونوں میں خاصی تکرار ہوئی۔ ڈرائیور کو انگریزی نہ آتی تھی اور وہ بے چاری مشکل سے تھوڑی ہندوستانی سمجھ پاتی تھی مگر دونوں نے کسی نہ کسی طرح ٹوٹی پھوٹی زبانوں میں اپنے غصّہ سے بھرے جذبات ایک دوسرے

تک پہنچا ہی دیئے۔ ڈرائیور نے اس زمانہ میں انگریزی میں ایک نعرہ سیکھ لیا تھا جو انگریزوں کے خلاف بلند کیا جاتا تھا۔ یہ تھا ’کوئٹ انڈیا یعنی بھارت چھوڑو کا نعرہ۔ اس بات سے اس خاتون کو بہت تکلیف پہنچی۔ یہ سُنکر انھوں نے خود کو اس دیس میں اجنبی محسوس کیا ہوگا۔ چاہے یہ بات ذرا دیر کو ہی محسوس کی ہو حالانکہ یہ مُلک انھیں عزیز تھا اور یہاں انھوں نے کافی اچھے دن بتائے تھے نہرو جی کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھیں ڈرائیور پر بہت غصہ آیا اور انھوں نے محسوس کر لیا کہ ڈنمارک کی ان خاتون کو کیا احساس ہوا ہوگا۔

مجھے نہرو جی کی بہن نے بتایا کہ پنڈت جی نے ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ اس خاتون سے تحریری معافی مانگے اور اسے ایسا کرنا پڑا۔

اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی خواہش!

پنڈت نہرو کم عمری میں ہی کانگریس کے کُل وقتی کارکن ہوگئے تھے۔ انھیں اس بات کا خیال تھا کہ وہ اپنے خرچ کا بوجھ اپنے والد پر ڈال رہے ہیں۔ انھوں نے گاندھی جی سے کہا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتے

ہیں۔ مہاتما نے نہرو کو لکھا " کیا میں تمہارے لیے کچھ روپے کا بندوبست کروں؟ تم کوئی ایسا کام کیوں نہیں کرتے جس سے کچھ ملے۔ آخرکار تمہیں اپنے خون پسینے کی کمائی پر گزر کرنی چاہیئے۔ چاہے تم اپنے پتاجی کے ساتھ ہی کیوں نہ رہو۔ کیا تم کسی اخبار کا نامہ نگار ہونا پسند کروگے؟ یا پھر پروفیسری اختیار کرنا چاہوگے"؟

مگر یہ سب نہیں ہوا انھیں سیاست کے سوا کسی کام کے لیے وقت ہی نہ ملا۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اپنے دیس کے لوگوں کی بھرپور سیوا کریں۔ رفتہ رفتہ انھوں نے یہ محسوس کرلیا کہ جب تک انھیں روپے کی سخت ضرورت نہ ہو کمانا یا نہ کمانا کوئی معنی نہیں رکھتے۔ بڑھ چڑھ کے ملک کی خدمت کرنا ان کے لیے اہم تھا روپیہ کمانا نہیں۔

عقلمندی کا فیصلہ

موتی لال کو اپنے بیٹے سے بڑا پیار تھا۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی پرورش بڑے نازونعم سے کی اور اس پر بڑا فخر کرتے تھے۔

جب جواہر لال، ہیرو میں تھے تو دونوں کے درمیان بڑی باقاعدگی کے ساتھ خط وکتابت ہوتی تھی۔ یہاں

ان خطوں کے کچھ دلچسپ حصّے پیش کیے جاتے ہیں۔
موتی لال نے ایک خط میں لکھا:
"تمہیں یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہیئے
کہ تم وہ قیمتی خزانہ ہو جو ہم اس دنیا میں چھوڑے
جا رہے ہیں۔ ہم اس وقت تم سے جُدائی
کی سخت تکلیف برداشت کر رہے ہیں اور وہ
صرف تمہاری بھلائی کے لیے۔ بات یہ نہیں ہے
کہ تم تعلیم حاصل کر کے اپنا خرچ آپ برداشت
کرنے کے قابل ہو جاؤ۔ میں صرف اپنی ایک سال
کی کمائی تمہیں دے کر تمہاری روزی کا مسئلہ
مستقل طور پر حل کر سکتا ہوں۔ مقصد یہ ہے
کہ تم ایک مکمّل انسان بن جاؤ اور وہ تم ضرور
بن کے رہو گے۔ یہ ہماری خود غرضی ہوگی بلکہ
ایک طرح سے پاپ ہوگا کہ ہم تمہیں خود سے جُدا
نہ کریں اور تمہیں تعلیم نہ دلائیں۔ بس جب مریں
تو تمہارے لیے سونے چاندی کی دولت چھوڑ جائیں
میں اگر یہ کہوں کہ میں نہرو خاندان کے اثاثے کی
بنیاد ڈالنے والا ہوں تو یہ کوئی شیخی کی بات نہ
ہوگی۔ میرے پیارے بیٹے، میں تم سے یہ امید
رکھتا ہوں کہ میری رکھی ہوئی بنیاد پر تم عمارت
تعمیر کرو گے۔ مجھے اس تصوّر سے ہی اطمینان

ہو جاتا ہے کہ تمہارے ہاتھوں اٹھنے والی عمارت
بلند ہو رہی ہے ، بلند ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں
تک کہ وہ آسمان کی بلندیوں کو چھو لیتی ہے..."
" مجھے اندازہ نہ تھا کہ میں تمہیں اتنا زیادہ
چاہتا ہوں۔ اس کا پتہ اس وقت چلا جب تم
مجھ سے جُدا ہوئے۔ حالانکہ یہ جُدائی صرف تھوڑے
دنوں کے لیے ہے۔ مجھے شاید اس لیے
احساس ہو رہا ہے کہ میں کمزور دل کا آدمی ہوں
کمزور دل کے باوجود مجھے اس کا پوری طرح
خیال ہے کہ تمہارے سلسلہ میں میری ذمہ داریاں
کیا ہیں۔ مجھے اس میں ذرا سا بھی شک نہیں
کہ تم میری توقعات کو پورا کرو گے بلکہ تم میری
امیدوں سے زیادہ آگے بڑھو گے۔"
" میں تمہارے کاموں اور ترقیوں سے صرف
مطمئن ہی نہیں ہوں بلکہ مجھے تم پر ناز ہے جسطرح
تم اب تک برابر کام کرتے رہے ہو اور لگاتار
آگے بڑھتے رہے ہو تو مجھے یقین ہے کہ وہ دن
جلد آئے گا جب تمہارا دیس تم پر فخر کرے گا۔"
موتی لال نے جواہرلال کو مشورہ دیا کہ وہ جتنے زیادہ سے
زیادہ کھیل کھیل سکیں کھیلیں اور یہ بھی لکھا کہ وہ جب چاہیں
اپنے لیے ایک تجربہ کار کھیل سکھانے والا رکھ لیں۔

موتی لال نہرو اپنے بیٹے کے استاد کو پابندی سے خط لکھتے رہتے تھے اور ان کی تعلیمی ترقی سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ انھوں نے بمبئی کی ایک فرم کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ آموں کے پارسل پابندی سے ہیرو بھیجے جاتے رہیں

مشورے دینے کا یہ کام صرف موتی لال کی طرف سے ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ جواہر لال بھی برابر اپنے والد کو مشورے دیتے رہتے تھے کہ وہ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ ۱۹ اکتوبر 1906 کو انھوں نے لکھا:

"آپ اپنی صحت کا بہت خیال رکھیں
اس بار آپ میری خاطر سے ایسا کرلیں
آپ ہمیشہ بہت زیادہ کام کرتے ہیں۔
اب ایسا نہ کیجیے۔ پیارے پتاجی آپ
سوچیں گے میں آپ کو صلاح دینے کی
گستاخی کر رہا ہوں مگر یہ بات میرے
دل سے نکل رہی ہے اس لیے مجھے
امید ہے کہ آپ اسے مان ہی لیں گے"

موتی لال نے اپنے بیٹے کے مستقبل کا جو اندازہ لگایا تھا وہ بالکل درست ثابت ہوا۔ وہ اپنے بیٹے سے بڑی امیدیں رکھتے تھے اور ان کے بیٹے نے بھی انھیں کبھی مایوس نہیں کیا۔ اپنے بیٹے کی ہیرو میں تعلیم اور ٹرینٹی میں داخلے کے

بارے میں ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"ان تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والا ہر شخص فخر کے ساتھ اس بات کا ذکر کرے گا کہ اس نے ان اداروں میں تعلیم پائی۔ لیکن تمہاری بات الگ ہے۔ یہ عظیم ادارے تمہیں اپنا انمول رتن جان کر تم پر فخر کریں گے۔ تم ان اداروں سے تعلق رکھ کر جتنا کچھ پاؤگے اتنا ہی ان اداروں کو تمہاری ذات سے فائدہ پہنچے گا۔ میرے پیارے بیٹے تم اپنا کام جاری رکھو۔ عمدہ، ٹھوس، مسلسل کام جس کے بیچ بیچ میں تفریح کی گنجائش بھی ہو۔ جیسا کہ تم ہمیشہ کرتے رہے ہو۔ تفریح اور کسرت بھی ضروری ہے۔ یقین کرو ایک دن آئے گا جب تم راستہ دکھانے والی مشعل کی طرح چمکو گے۔"

لاپرواہی پر غصہ

انتظامی معاملات میں لاپرواہی ہوتی تھی اور اس لاپرواہی کے قصے نہرو کو معلوم ہوتے تھے تو انھیں بہت افسوس ہوتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ انتظامیہ کی مشین بہت اچھی طرح اور ڈھنگ کے ساتھ چلے۔ اکتوبر 1953

میں پنشن پانے والے کچھ لوگ پنڈت جی سے ملنے آنند بھون گئے۔ ان لوگوں کو شکایت تھی کہ چار پانچ برس سے انھیں پنشن نہیں ملی۔ ان کمزور، بوڑھے اور لرزتے ہوئے لوگوں سے آنند بھون میں سب کو ہمدردی ہوئی اور وہاں تقریباً سب افسروں نے ان لوگوں کو یہی صلاح دی کہ وہ پنڈت نہرو کے سامنے اپنا معاملہ ضرور رکھیں۔ وہاں کچھ افسر بھی موجود تھے۔ انھیں معلوم ہوا کہ ان بیچاروں کو کئی برس سے پنشن نہیں ملی تو انھیں بڑی شرمندگی ہوئی۔ ان میں سے ایک نے پنشن پانے والوں سے کہا: "آپ لوگوں کو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تاخیر مجرمانہ ہے۔ آپ یہ بات وزیراعظم کے علم میں لائیے۔"

آخر وزیراعظم ملاقاتیوں سے ملنے کے لیے باہر آئے۔ انھوں نے دیکھ کر ایک کونے میں کچھ بوڑھے لوگ کھڑے ہیں۔ پنڈت جی نے ان کے پاس جاکے بہت اخلاق سے پوچھا:-

"کہو بھائی، کیا بات ہے؟ اچھے تو ہو؟"۔

ان میں سے ایک تقریباً رو دیا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "حضور، چار سال سے پنشن نہیں ملی۔ بھوکوں مر رہے ہیں۔" نہرو کو دھکا سا لگا۔ انھوں نے کہا:-

"کیا؟ کیا تم لوگوں کو پچھلے چار برس سے پنشن نہیں ملی؟"

انھوں نے ادب سے سر جھکا دیا اور جواب دیا: "جناب ہم جو

عرض کر رہے ہیں وہ درست ہے۔ آپ کلکٹر صاحب سے معلوم کر سکتے ہیں۔"

اس بات سے پنڈت جی کو سخت تکلیف پہنچی۔ جس چہرے پر ذرا دیر پہلے مسکراہٹ کے پھول بکھرے ہوئے تھے اس پر ناگواری کے آثار صاف نظر آنے لگے۔ انھوں نے فوراً کلکٹر کو بلایا اور جب وہ آگیا تو اس سے کہا:

"سنو یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ یہ بہت دُکھ کی بات ہے یہ ایسی بات ہے کہ اس کا یقین کرنا مشکل ہے۔ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟"۔ کلکٹر نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا، مگر نہرو جی نے بیچ میں ہی بات کاٹ دی۔

"صفائی پیش کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اس کا بندوبست کرو کہ ان لوگوں کو اب اور دیر کے بنا یہ پنشن مل جائے۔"

پنشن یافتہ بوڑھوں نے آنسو بھری آنکھوں سے پنڈت جی کے احسان کا شکریہ ادا کیا "حضور سلام"۔ "آپ کی مہربانی سے بھوکے لوگوں کا پیٹ بھر جائے گا۔"

اس واقعے سے پنڈت جی کو اتنی تکلیف پہنچی کہ وہ فوراً اندر چلے گئے، اور بہت دیر تک ملاقاتیوں سے بات کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔

بچوّں میں بچے

کلکتہ کے بشپ فشر کی بیوی مسز ویلتھی۔ ایچ۔ فشر

نے نہرو کے انسانی پہلو کے بارے میں کچھ دلچسپ باتیں لکھی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں : " یہ ان کے مزاج اور ان کی شخصیت کا ایک حصہ تھا کہ کوئی ان کے پاس آتا تو وہ اس سے مل کر خوش ہوتے۔ وہ بچوں کے درمیان ہوتے تو ان کی خوشی اور بھی بڑھ جاتی۔ ملک کے الجھے ہوئے معاملوں سے نمٹنے کے بعد جب وہ ذرا دیر کو آرام کرتے تھے تو کس طرح آرام کرتے تھے یہ میں نے اکثر دیکھا ہے۔ ایسے میں جب وہ بچوں سے باتیں کرتے تو بالکل بچے ہو جاتے۔
1953 کی بات ہے کہ میں خوش قسمتی سے گوالیار میں تھی۔ اس وقت سانچی کے دورے کے بعد واپسی میں وہ گوالیار آئے۔ اس موقعے پر لڑکوں کے ایک اسکول کی طرف سے قلعے کے اوپر شام کو تفریحی پروگرام رکھا گیا۔ پنڈت جی کو اس میں تقریر کرنے کے لیے بلایا گیا۔ لڑکوں نے ایک عمدہ ڈراما پیش کیا اور بہت اچھی چائے کا بندوبست کیا گیا۔ جب انھیں تقریر کرنے کے لیے بلایا گیا تو وہ بچوں کی طرح دوڑتے ہوئے مائکروفون کی طرف گئے۔ اس وقت ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بھی ان بچوں ہی میں سے ایک ہیں انھوں نے کہا " آج شام جن لڑکوں نے اداکاری کی ہے وہ سب ڈرامے کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ میرے پاس ایسا کوئی لباس نہیں میں یہاں آکر کیا کروں"۔ وہ ان سے برابری سے باتیں کرتے رہے۔ لڑکوں کا سر ضرور فخر سے

بلند ہوگیا ہوگا ۔ قومی ترانہ 'جن گن من' گائے جانے کے بعد ہم سب اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے رہے تاکہ پنڈت جی اس کار میں بیٹھ جائیں جو ان کا انتظار کر رہی تھی اور پھر طیّارے سے روانہ ہو جائیں ۔ وہ اپنی کار کی طرف بڑھے لیکن کہیں سے انھوں نے پانچ چھ برس کے دو بچّوں کو اپنے ساتھ لے لیا اور ان کے ساتھ ہنسی مذاق اور پیار کی باتیں کرتے ہوئے لوگوں کے درمیان سے گزر گئے۔
وہ لڑکوں میں لڑکے ، بچّوں میں بچّے ہو جاتے تھے ۔ ان کے مزاج میں ایسی نرمی تھی کہ ہر ایک کے ساتھ ہنسی خوشی وقت بِتا دیتے تھے ۔

انھیں بچّوں سے جو پیار تھا اس کے بارے میں سبھی جانتے ہیں ۔ یہ پیار ویسا نہ تھا جیسا ہم سبھی میں ہوتا ہے ۔ کسی میں ذرا زیادہ کسی میں ذرا کم ۔ وہ بچّوں کو جی جان سے چاہتے تھے اور بچّوں کے لیے یہ پیار ان کے دل سے ہر وقت ابلتا رہتا تھا ۔

بچّوں کی سی عادتیں

بڑھتی ہوئی عمر انھیں سنکی نہ بنا سکی ۔ ان کے مزاج میں آخر تک بچّوں کی سی عادتیں اور ان کی سی امنگیں رہیں انھیں خیالوں کی دنیا میں کھو جانا بہت پسند تھا ۔ لیکن وہ

ہنسی مذاق میں بھی خوب دلچسپی لیتے تھے 1940 میں آنند بھون کے رہنے والوں نے بڑے جوش سے ہولی کھیلی نہرو بھی بڑے شوق سے اس تفریح میں شریک ہوئے آنند بھون کے احاطے میں دو گھنٹے تک ہر طرف رنگ برنگا پانی بکھرتا رہا۔ اس دن بہت لطف رہا۔ اس موقعے پر جب فوٹو کھینچا جانے لگا تو نہرو اچاریہ جے۔ بی کرپلانی کے کندھے پر چڑھ گئے اور لوگوں کی مدد سے فوٹو کھنچنے تک وہیں رکے رہے۔ کرپلانی جی ہنستے رہے اور کہتے رہے "جواہر تم بچّوں کی طرح ہلکے پھلکے تو نہیں ہو۔ اب مہربانی کرکے اتر بھی جاؤ۔" نہرو ضد کرتے رہے کہ میں تو یہیں بیٹھ کر فوٹو کھنچواؤں گا۔

عمدہ اخلاق

عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ بڑے آدمیوں کے پاس وقت کی تنگی ہوتی ہے۔ وہ ملک اور قوم کے بڑے بڑے معاملوں میں گھرے رہتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی عام باتوں کی طرف دھیان دینے کو نہ ان کے پاس وقت ہوتا ہے، نہ ان باتوں سے انھیں دلچسپی ہوتی ہے۔ مگر پنڈت نہرو کے ساتھ ایسا نہیں تھا۔ ڈاکٹر پی۔ ای۔ دستور، جو الہ آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہ چکے ہیں ان کے پاس

نہرو کا ایک خط تھا۔ اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ کیسی محبت اور کیسے اخلاق کا برتاؤ کرتے تھے۔ 48-1947 میں ڈاکٹر دستور نے امریکہ کا لمبا سفر کیا۔ اس سفر میں انھیں جگہ جگہ تقریریں کرنی تھیں۔ اس سفر کا بندوبست ایسٹ اینڈ ویسٹ ایسوسی ایشن نے کیا تھا اس ایسوسی ایشن کو اس وقت پرل بک چلا رہی تھیں۔ دورہ ختم کرنے کے بعد پرل بک نے ڈاکٹر دستور سے درخواست کی کہ وہ جلد ہی ایک بار پھر امریکہ پہنچ کر لکچر دیں۔ ڈاکٹر دستور نے کہا کہ انھیں ایسا کرکے خوشی ہوگی لیکن اس کا یقین نہیں کہ اس سفر کے لیے ڈالروں کی جو ضرورت ہوگی وہ حکومت ہند دے دیگی یا نہیں۔

پرل بک نے جواب میں کہا کہ وہ اس کے بارے میں مسٹر نہرو کو خط لکھدیں گی۔ اس لیے کوئی دشواری نہ ہوگی اور انھوں نے ایسا ہی کیا یعنی اس سلسلے میں مسٹر نہرو کو خط لکھ دیا۔ جلد ہی ڈاکٹر دستور کو نہرو کا خط ملا۔

یہ خط 5 اپریل 1948 کا لکھا ہوا ہے۔ اس تاریخ کی طرف توجہ کی خاص طور پر ضرورت ہے۔ مہاتما گاندھی کو شہید ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن بیتے تھے۔ ملک کی تقسیم کے بعد پچھلے ستمبر میں سارے ملک میں خون خرابہ ہو چکا تھا امن کے دشمنوں نے مہاتما کو بڑی بے دردی سے قتل کردیا تھا۔ ایسے افسوسناک حالات میں ملک کا کام چلانے کا

بوجھ اکیلے نہرو کے کندھوں پر آپڑا تھا۔ ایسے حالات میں وہ اگر اس چھوٹی سی بات کی طرف دھیان بھی نہ دے سکتے تو کوئی اس کی شکایت نہ کرتا۔ لیکن انھوں نے اس کی طرف توجّہ کی۔ اس سے ان کی بڑائی کا پتہ چلتا ہے اور ہمارے دل میں ان کا جو ادب ہے اور ان کے لیے جو محبت ہے وہ کچھ اور بڑھ جاتی ہے۔ انھوں نے صرف پرل بک کی درخواست پر ہی توجّہ نہیں کی بلکہ خود ڈاکٹر دستور کو بھی لکھا کہ "پرل بک نے مجھے لکھا ہے کہ آپ کا امریکہ کا دورہ بہت کامیاب رہا۔ وہ چاہتی ہیں کہ آپ اگلے اکتوبر میں پھر امریکہ کا دورہ کریں۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ امریکہ میں بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ اگر آپ دوبارہ امریکہ کا دورہ کرسکیں تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔ میری سمجھ میں یہ بات بہت اچھی طرح نہیں آسکی کہ میں اس میں کیا مدد کرسکتا ہوں۔ کیا آپ مجھے یہ لکھیں گے کہ میں اس سلسلہ میں کیا کرسکتا ہوں؟"۔

یہ قصّہ سناکر ڈاکٹر دستور نے مجھ سے کہا:

"آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ خط پاکر مجھے کتنی خوشی ہوئی ہوگی۔ یہ خط مجھے اس وقت ملا جب میں سارے امریکہ اور آدھے یورپ کا سفر کرکے جون میں کوپن ہیگن لوٹا۔ مجھ پر مسٹر نہرو کی شرافت اور اخلاق کا بہت اثر ہوا۔ انھوں نے بادشاہوں کے ساتھ

چہل قدمی کی تھی مگر عام انسانوں کو نہیں بھولے تھے۔

دوستوں کا خیال

نہرو اپنے بڑوں کا ادب کرتے تھے، اپنے دوستوں اور جاننے والوں کا خیال رکھتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی ان کی اس عادت کا پتہ لگ جاتا تھا۔ مسٹر اے۔ پی۔ دوبے نہرو کے پرانے جاننے والے تھے۔ انھوں نے نہرو کو ایک خط لکھا کہ انھیں نہرو کی ایک تصویر چاہیے یہ تصویر وہ الہ آباد ہائی کورٹ کی بار لائبریری میں لگانی چاہتے تھے۔ مارچ 1955 میں نہرو الہ آباد گئے تو دوبے جی ان سے ملنے آنند بھون گئے۔ انھیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ نہرو ان کے لیے دہلی سے ایک تصویر اپنے ساتھ لائے ہیں۔ خوشی سے ان کا چہرہ دمک اٹھا۔ نہرو انھیں دیکھتے ہی بولے " میں تمہارے لیے ایک اچھی سی تصویر لایا ہوں۔ میرا خیال ہے تم اسے پسند کروگے"

دوبے جی یہ سنکر بہت خوش ہوئے اور جب تصویر انھیں دی گئی تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ یہ قیمتی تحفہ لے کر فوراً ہائی کورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسٹر دوبے کے آنند بھون سے روانہ ہوتے ہی ایک اور ملاقاتی ان کے سامنے تھا۔ ایک عجیب ملاقاتی! یہ ایک

عورت تھی جس کا بہت دنوں سے آنند بھون میں آنا جانا تھا یہ عورت ایک درخواست لے کر آئی تھی۔

نہرو نے اس سے پُوچھا "تم کیا چاہتی ہو؟" اس نے ایک درخواست نکالی اور کہا "اس پر دستخط کر دو۔ تمہاری سفارش سے میرا کام ہو جائے گا"

نہرو نے ہنستے ہوئے کہا "تم چاہتی ہو میں اس پر سفارش لکھدوں!" اور یہ کہہ کر وہاں سے چلد یئے۔ اس عورت کی درخواست پر نہرو نے سفارش نہیں کی تو وہ انکی بیٹی اندرا گاندھی سے ملی۔ یہاں بھی اس کا کام نہیں بنا۔ اندرا نے اسے محبت سے سمجھایا کہ اس کی سفارش نہیں کی جا سکتی۔ وہ عورت اب بھی مایوس نہ ہوئی اور یہ کہتی ہوئی آنند بھون سے چلی گئی "کوئی بات نہیں۔ اگلی بار پھر میں پنڈت جی سے ملوں گی۔ مجھے وشواس ہے وہ ضرور میرا کام کر دیں گے"

دریا دلی

نہرو بڑے دل کے آدمی تھے۔ جب وہ کسی کو کچھ دیتے تو ہچکچاتے اور کچھ شرمندہ سے ہوتے۔ جیسے انھیں یہ احساس ہو کہ وہ کم دے رہے ہیں جن کو وہ ذاتی طور پر جانتے تھے ان کا وہ کچھ زیادہ ہی خیال رکھتے تھے۔ ایسے

لوگوں کی وہ جتنی زیادہ مدد کر سکتے تھے کرتے تھے۔ سمجھ دار لوگ ان سے مدد کی درخواست کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ انھیں اندازہ ہوتا تھا کہ نہرو کو اس سے کچھ شرمندگی ہوگی۔ وہ لوگوں کی مدد کرتے تھے، نیکی کرکے بھول جاتے تھے۔ اس کا وہ کبھی ذکر بھی نہ کرتے تھے اور نہ کسی بدلے کی امید رکھتے تھے۔ ملک آزاد ہونے سے پہلے لوگ ان سے طرح طرح کی مدد چاہتے تھے اور وہ کبھی انکار نہ کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے 1942ء کے شروع میں ایک کانگریسی ان سے ملنے آنند بھون آیا۔ اس نے ستیہ گرہ میں بہت تکلیفیں جھیلی تھیں۔ اس نے نہرو سے کچھ پیسے مانگے وہ اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے اور اس مہمان کے لیے اپنے پرائیویٹ سکریٹری کے ہاتھ اچھی خاصی رقم بھیجی۔ اس کانگریسی نے وہ نوٹ آنند بھون کے برآمدے میں یہ کہتے ہوئے پھینک دیئے "نہرو میرا سردار ہے مجھے اپنی دشواریوں پر قابو پانے کے لیے اس سے بڑی رقم ملنی چاہیے۔"

نہرو کو خبر کی گئی۔ اور انھوں نے چپ چاپ اور زیادہ رقم بھیج دی۔ وہ آدمی "جواہر لال نہرو کی جے" کہتا ہوا رخصت ہوگیا۔

نہرو کا انداز

مجھے اس وقت ایک چھوٹا سا نجی واقعہ یاد آرہا ہے جس نے میرے دماغ پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ اس دنیا میں بہت سے دریا دل لوگ ہوں گے لیکن لوگوں کو نہرو کے انداز کی دریا دلی دیکھنے کا موقع کم ہی ملا ہوگا 1941 میں میں نیشنل ہیرالڈ کے نامہ نگار کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ اس وقت میرے گھر ٹیلی فون نہیں تھا اور اس کی مجھے سخت ضرورت تھی۔ انھیں اسکی خبر ہوئی۔ وہ نیشنل ہیرالڈ کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے چیرمین تھے۔ اس حیثیت سے وہ میرے گھر ٹیلیفون لگوانے کا حکم دے سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ انھوں نے کہا "سنو! میں جانتا ہوں تمہارے پاس ٹیلیفون نہیں ہے۔ میں اس کے بارے میں نیشنل ہیرالڈ کو نہیں لکھ سکتا۔ تم ٹیلی فون لگوا لو، اس کا خرچہ میں دونگا۔" انھوں نے فوراً ایک چیک میرے حوالے کر دیا۔

۲ اگست 1942 کو جب وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے تاریخی اجلاس میں شرکت کے لیے بمبئی جا رہے تھے تو انھوں نے مجھے بلا کے کہا:

"تم جانتے ہو میں بمبئی جا رہا ہوں۔ شاید میں

گرفتار ہو جاؤں۔ اگلے دو مہینوں کے لیے یہ چوالیس
روپے لے لو۔ میرے گرفتار ہو جانے کی صورت
میں تمہارا ٹیلی فون کٹنا نہیں چاہیئے۔ تمہارے
لیے یہ ایک خط بھی ہے۔ اسے اپنے پاس رکھو۔
جب تمہیں ٹیلی فون کے لیے روپے کی ضرورت
ہو تو وجے لکشمی پنڈت یا اندرا گاندھی یا بی۔این۔
ورما سے مل لینا۔" خط یوں تھا۔
مسٹر پی۔ ڈی۔ ٹنڈن۔
دو مہینے کے ٹیلی فون کے لیے چوالیس روپے کا
چیک بھیجا جا رہا ہے۔ یہ ٹیلی فون لگا رہنا چاہیے
اور آئندہ یعنی اکتوبر اور اس کے بعد کے لیے اس کا
کرایہ مندرجہ ذیل میں سے کسی سے لے لینا چاہیئے۔
وجے لکشمی پنڈت
اندرا گاندھی
یا۔ بی۔ این۔ ورما

جے۔ نہرو
2-8-42

دوسروں کا خیال

ٹھاکر چندر سنگھ گڑھوالی ایک فوجی تھا۔ اس نے
پیشاور میں نہتے آدمیوں پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا

اسے زندگی بھر کے لیے جلا وطن کر دیا گیا۔ آخر ۱۹۴۱ میں اُسے رہائی ملی۔ نہرو اس وقت دہرہ دون جیل میں تھے۔ چندر سنگھ نے رہائی کے بعد نہرو کو خط لکھا اور اس میں اپنی دشواریوں کا ذکر کیا۔ نہرو نے محسوس کیا کہ چندر سنگھ بہت عرصہ بعد جیل سے چھوٹا ہے۔ باہر کی دنیا سے اب اس کا کوئی تعلق نہ رہ گیا ہوگا۔ اگر اس کی کوئی مدد کی جائے تو وہ اسے پسند کرے گا۔ انھوں نے جیل سے چندر سنگھ کو یہ خط لکھا۔

" پریے چندر جیت جی،

آپ کا پتر ملا۔ آپ کے چھوٹنے کی خبر سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ آپ آنند بھون میں بہت اطمینان سے جب تک چاہیں رہیں ہمارے مہمان ہو کر۔ مجھے افسوس ہے کہ میں خود وہاں نہیں ہوں آپ سے ملنے کو۔ جب باپو جی آپ کو بلا دیں آپ وردھا جائیے اور جتنے دن تک کہیں وہاں ان کے پاس رہیئے۔ پھر واپس الہ آباد آکر آنند بھون میں ٹھہریئے۔ میں نے مہادیو بھائی سے ذکر کر دیا تھا

آپ کا

جواہر لال نہرو "

غصّہ بھی مدد بھی

اندھیرا ہو چکا تھا۔ ستمبر1955ء کی گیارہ تاریخ تھی۔ نہرو پنّا (وندھیا پردیش) میں تقریر کر چکے تھے اور واپس جانے کیلیے کار میں بیٹھے تھے۔ سڑک پر کیچڑ تھی۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی کار آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور نہرو ہجوم کو دیکھ رہے تھے۔ اچانک کچھ گاؤں والے کار کے آگے لیٹ گئے۔ کچھ لوگوں نے کہا یہ گاڑی کو روکنے کی کوشش ہے۔ یہ لوگ آپ کو روک کر اپنی کچھ شکایتیں بیان کرنا چاہتے ہیں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ شستنگ ڈنڈوت ہے۔ اس طرح یہ لوگ بندگی بھی کرنا چاہتے ہیں اور اس موقع پر اپنی دُکھ بھری کہانی بھی سنانا چاہتے ہیں۔

تھوڑی دیر نہرو ان لوگوں کو دیکھتے رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ انھیں غصّہ نہ آئے اور بات آئی گئی ہو جائے۔ لیکن اچانک ہی وہ پھٹ پڑے:۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تمہیں ایسا کرنا کس نے سِکھایا ہے"۔ وہ کار سے کود کے کیچ پانی میں اتر گئے۔ ان کی بیٹی نے انھیں روکنا چاہا مگر پنڈت جی نے ان سے کہہ دیا کہ وہ بیچ میں نہ بولیں۔ پنڈت جی کے محافظوں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اندھیرے میں بھیڑ میں نہ جائیں

مگر پنڈت جی نے انھیں ڈانٹ دیا کہ "کیا بکواس کرتے ہو۔"
ہر طرف افراتفری سی مچ گئی۔ جو گاؤں والے کار کے آگے لیٹ گئے تھے وہ ڈر گئے اور بھاگنے کی کوشش کرنے لگے۔ پولیس بھی انھیں جلدی سے جلدی بھگا دینا چاہتی تھی۔ لیکن نہرو نے گرج کر کہا:

"یہ کیا کر رہے ہو ان سے ایسا سلوک نہ کرو۔
مجھے ان سے ملنا ہے، مجھے ان سے بات کرنی ہے،
مجھے ان سے پوچھنا ہے کہ یہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

پنڈت جی کو غصّہ دلانے والے یہ لوگ فوراً ہی اُن کے سامنے لائے گئے۔ انھوں نے غصّہ سے پوچھا:

"تمھیں ایسا کرنا کس نے سکھایا ہے؟ کار کے آگے تم کیوں لیٹے تھے؟"

ذرا دیر وہ ان لوگوں پر غصّہ کرتے رہے۔ پھر ان سے کہا کہ وہ لوگ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیں۔ پنڈت جی نے ان کی شکایتیں بڑے دھیان سے سنیں اور حکم دیا کہ ان شکایتوں کی فوراً جانچ کی جائے۔ گاؤں والے 'جواہر لال نہرو کی جے' کے نعرے لگاتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

جواہر لال دلّی میں ہوں یا دلّی سے باہر کہیں دُور دراز

مقام پر وہ اپنے دوستوں کو کبھی نہیں بھولتے تھے۔ انکی محبّت ان کی انسانیت بھی خوب تھی! دو دن کا تھکا دینے والا سفر کرکے وہ تبّت میں 'یاتنگ' کے مقام پر پہنچے تھے وہاں سے انھیں بھوٹان جانا تھا۔ انھیں اس بات کی خوشی تھی کہ تبّت کے حالات کو انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ اب وہ خود اندازہ لگا سکتے تھے کہ لاماؤں کے دیس میں چینیوں نے کیا کیا ہے۔ وہاں وہ ہندوستان کے تجارتی ایجنٹ مسٹر کے۔ سی۔ جوہری کے ساتھ ٹھہرے۔ ان مشکلات کے دنوں میں ہندوستانی افسروں کی اس سے بڑی ہمّت بندھی کہ پنڈت نہرو ان کے ساتھ ہیں۔

تبّت میں ایک دن انھوں نے ریڈیو پر سُنا کہ مسٹر سری پرکاش کے والد ڈاکٹر بھگوان داس اس دنیا سے سدھار گئے۔ وہ یہ سُن کر بہت اداس ہوگئے۔ انھوں نے فوراً ریڈیو بند کر دیا اور کچھ لکھنے کے لیے کاغذ مانگا۔ اور فوراً ہی انھوں نے لکھا۔

" واضح الفاظ میں — بدیس — نئی دہلی
مہربانی کرکے نیچے لکھی خبر سری پرکاش جی کو پہنچا دیجئے —
شروع — جو وقت سب کو پیش آتا ہے وہ انکو پیش آگیا۔ پھر بھی یہ سوچ کر دُکھ ہوتا ہے کہ

وہ بڑے اور بزرگ انسان ـــــ تمہارے والد ـــ
ہمارے درمیان نہیں رہے ۔ اندرا اور میں
اتنی دور یعنی تبت سے تمہارے غم میں شریک
ہیں ـــــ جواہرلال"

انھوں نے یہ خط ہندوستان کے تجارتی ایجنٹ مسٹر کے ۔ سی ۔ جوہری یا ان کی بیوی مسز سدھا جوہری کے حوالے کیا اور یہ ہدایت کردی کہ یہ تار فوراً ہندوستان میں سری پرکاش کو بھیج دیا جائے ۔

پنڈت جی نے جتنی جلدی اور جتنی محبت کے ساتھ یہ تار بھجوایا تھا اس کا ہندوستانی افسروں پر گہرا اثر ہوا تھا ۔ اس تار کے روانہ کیے جانے کے سلسلہ میں وہ برابر ہدایتیں دیتے رہے ۔ وہ یہ لکھنا بھی نہ بھولے کہ تار واضح الفاظ میں روانہ کیا جائے ۔ وہ یہ جانتے تھے کہ وزیراعظم کے پیغام عام طور پر کوڈ یعنی اشاراتی زبان میں بھیجے جاتے ہیں ۔

نہرو جہاں بھی جاتے تھے لوگوں کے دل موہ لیتے تھے ۔ تبت میں چینی افسروں نے طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں پھر بھی ہر جگہ ان کے پیچھے عوام کا بے پناہ ہجوم ہوتا تھا ۔ وہ لوگوں کو اپنی طرف اس طرح کھینچتے تھے جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے ۔ ان کی شخصیت تھی ہی بہت پرکشش ۔ مسٹر جوہری کا کہنا ہے کہ ان کو اپنے

درمیان پاکر لوگوں کی ہمت بڑھتی تھی اور ان کا ولولہ
بلند ہوتا تھا ۔ اُن کے حکم پر لوگ مشکل سے مشکل کام
کرنے کو راضی ہو جاتے تھے ۔

نہرو ہندوستان کی آن تھے ۔ وہ اُن پر جتنا ناز
کرے کم ہے !

بے حد جذباتی

نہرو بہت جذباتی تھے ۔ انھیں اپنے دوستوں ،
ساتھیوں اور خاندان کے لوگوں سے بہت لگاؤ تھا ۔ وہ
ان کا بہت خیال رکھتے تھے ۔ پولس نے ان کی ماں پر
لاٹھی چارج کیا تو وہ جیل میں تھے ۔ اس پر انھیں
بے حد غصّہ آیا ۔ اپنی آپ بیتی میں انھوں نے لکھا ہے :-

"میری ماں کو کرسی سے نیچے گرا دیا گیا ۔ ان کے
سر پر لگاتار بید مارے گئے ۔ سر میں ایک گہرا
زخم آیا اور اس سے خون بہنے لگا ۔ وہ بیہوش
ہو گئیں اور سڑک پر پڑی رہیں ۔ اس وقت
اگر میں وہاں ہوتا تو نہ جانے کیا کر گزرتا ۔ میں
نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت میرا عدم تشدد کس
حد تک باقی رہتا ۔ شاید وہ زیادہ دیر تک باقی
نہ رہتا ۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ سبق جو میں نے بارہ

برس سے زیادہ عرصے تک یاد کرنے کی کوشش
کی ہے اس منظر کو دیکھ کر یاد نہ رہتا ۔ یہ
سوچے بغیر کہ میرے لیے اور ملک کے لیے اسکا
کیا نتیجہ ہوگا میں ضرور کچھ کر گزرتا ۔"

نہرو ہمیشہ خان عبدالغفار خاں کا بہت ادب کرتے تھے ۔
ایک بار وہ جیل میں تھے ۔ بے چینی کی حالت میں انکی
آنکھ لگ گئی ۔ انھوں نے ایک عجیب خواب دیکھا ۔ اس
خواب سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خان عبدالغفار خاں سے
کتنی محبت کرتے تھے ۔

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے نہرو نے لکھا ہے :۔

"سخت گرمی کی سہ پہر تھی ۔ ذرا دیر کو میری
آنکھ لگ گئی ۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے عجیب
خواب دیکھا ۔ میں نے دیکھا کہ خان عبدالغفار
خاں پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور
میں انھیں بچانے کی کوشش کر رہا ہوں ۔ میری
آنکھ کھلی تو بہت تھکا ہوا سا تھا اور بہت تکلیف
محسوس کر رہا تھا ۔ میرا تکیہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا
ہوا تھا ۔ مجھے اس سے حیرت ہوئی وہ یوں
کہ جاگتے میں ایسا واقعہ پیش آتا تو میری آنکھوں
سے آنسو نہ بہتے ۔"

وہ اکثر اپنے جذبات کو دبا لیتے تھے ۔ مگر تھے وہ بہت

جذباتی آدمی ۔ ان کے گہرے جذبات ان کی تحریروں میں جھلکتے ہیں اور ان کے خوبصورت چہرے سے بھی ظاہر ہوتے تھے ۔

اونچے معیار

مجھے اس وقت 1937 کا زمانہ یاد آرہا ہے جب میں نے نہرو کو پہلی بار نزدیک سے دیکھا تھا ۔ سُوراج بھون الہ آباد میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا دفتر تھا ۔ وہاں وہ کچھ کاغذات دیکھ رہے تھے ۔ میں اس وقت الہ آباد یونیورسٹی میں تھا اور سرپی ۔ سی ۔ بنرجی ہاسٹل میں رہتا تھا ۔ وہاں قومی جھنڈا لہرانے کے سلسلہ میں کچھ اختلاف تھا ۔ میں اسی سلسلہ میں ان سے ملنے گیا تھا ۔ ان کے پیچھے دیوار پر ہندوستان کا ایک بڑا سا نقشہ ٹنگا ہوا تھا ۔ پنڈت جی نے کئی بار اسے دیکھا وہ اپنا کام کرچکے تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں جس کام کے لیے آیا ہوں اس کے بارے میں مختصراً انھیں بتادوں ۔

ہاسٹل میں جو مسئلہ پیدا ہوگیا تھا میں نے اس کے بارے میں مسٹر نہرو کو بتایا ۔ پھر میں نے یہ جاننا چاہا کہ اس بارے میں اب ان سے کب ملا جائے ۔

انھوں نے جواب دیا "کبھی نہ آؤ تو بہت اچھا ہے"۔ مجھے یہ بات کچھ ناگوار ہوئی۔ اچانک وہ ہنس پڑے اور کہا کہ اگلے دن آنند بھون جاکر میں ان سے مل لوں۔
اگلے دن میں وقت پر وہاں پہنچ گیا۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو بولے "اس دیس میں لوگوں کو وقت برباد کرنے کی بہت عادت ہے"۔
مجھے یہ سُن کر کچھ شرمندگی سی ہوئی۔ میں نے کہا کہ "اس وقت اگر وہ کچھ مصروف ہیں تو میں پھر کسی وقت آجاؤں گا"۔ "نہیں میرا اشارہ تمہاری طرف نہیں ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ میں ابھی تم سے بات کروں گا" انھوں نے بہت اخلاق کے ساتھ کہا اور مجھے کچھ اطمینان سا ہوگیا۔
پھر مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ وہ لگاتار ایک گھنٹہ مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ اس درمیان مجھے یہ فکر برابر لگی رہی کہ جتنی جلدی اُٹھ سکوں اُٹھ جاؤں کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں میں گنا جاؤں جنھیں دوسروں کا وقت برباد کرنے کی عادت ہوتی ہے۔
انھوں نے مجھے بتایا کہ برابر کے کمرے میں ایک انگریز جوڑا رہتا ہے۔ اور انھوں نے کبھی اس جوڑے کی آواز نہیں سُنی۔ اگر ان کی جگہ اس کمرے میں ہندوستانی رہتے ہوتے تو انھیں (پنڈت جی کو) کام کرنا دشوار ہوجاتا

اس کے بعد اچانک انھوں نے یہ گفتگو شروع کر دی کہ ان کی بیٹی انگلستان کی مزدور تحریک میں کس طرح دلچسپی لے رہی ہیں۔ وہ اس دن بہت کچھ بتانے کے موڈ میں تھے اور میں ان کی باتیں دلچسپی کے ساتھ سن رہا تھا۔

پنڈت جی اپنی بات ختم کر چکے تو میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ ہاسٹل پر جھنڈا لہرا دیں۔ وہ راضی ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد ہاسٹل کے سپرنٹنڈنٹ نے انھیں ایک خط لکھدیا۔ اس سلسلہ میں یونیورسٹی کی ایگزیکیٹو کمیٹی نے ایک تجویز پاس کر دی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے پنڈت جی کی توجہ اس ریزولیشن کی طرف دلائی تھی اور بہت نرمی کے ساتھ یہ کہا تھا کہ بہت اچھا ہوا اگر آپ سر ہل۔ سی۔ بنرجی ہاسٹل پر جھنڈا نہ لہرائیں۔ انھیں اس خط سے تکلیف پہنچی مگر وہ ہم طالب علموں میں بدنظمی نہ پھیلانا چاہتے تھے۔ اور وہ ایسی جگہ جانا پسند بھی نہ کرتے تھے جہاں خوشی سے ان کا استقبال نہ کیا جائے۔ میرے نام اپنے خط میں انھوں نے لکھا:۔

"مجھے تمہارے سپرنٹنڈنٹ کا خط مل گیا ہے۔ یونیورسٹی کی ایگزیکیٹو کونسل نے قومی جھنڈے کے سلسلے میں جو ریزولیشن پاس

کیا ہے، سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اس کی
طرف مجھے توجہ دلائی ہے۔ انھوں نے مجھے
جھنڈا لہرانے کی رسم میں آنے سے روکا نہیں
ہے لیکن یہ کہا ہے کہ یونی ورسٹی کے افسران
اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس لیے میں نے
اس جلسہ میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا
ہے۔ آپ مہربانی کر کے اپنے سپرنٹنڈنٹ
سے ملیے۔ وہ آپ کو پوری بات بتادیں گے۔"

میں سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملا اور میں نے یہ محسوس کیا کہ اب حالات درست ہو گئے ہیں اس لیے میں پھر پنڈت جی سے ملا اور پھر ان سے جھنڈا لہرانے کی درخواست کی۔ وہ مہربانی کر کے راضی ہو گئے۔ اس کے بعد پھر معاملات الجھ گئے اور پنڈت جی نے مجھے لکھا :-

"میں نے اس دن آپ سے کہا تھا کہ سر پی سی۔
بنرجی ہاسٹل پر جھنڈا لہرانے کے سلسلہ میں وقت
اور تاریخ مقرر کرنے سے پہلے آپ کو چاہیئے
کہ یونیورسٹی کی انتظامیہ سے گفتگو کریں اور ان کا
تعاون حاصل کریں۔ آپ نے ایسا کیے بغیر انتظامات
شروع کر دیے۔ یہ باتیں میرے لیے الجھن کا
باعث ہیں۔ جب تک مجھے یہ یقین نہ ہو کہ یونیورسٹی

کی انتظامیہ اس میں تعاون کر رہی ہے اس
وقت تک میں جلسے میں آنا پسند نہ کروں گا۔"

میں نے یونی ورسٹی کے افسروں سے گفتگو کی تھی اور ان کا تعاون حاصل کرنا چاہا تھا لیکن ان دنوں میں یونی ورسٹی کی انتظامیہ کا مکمل تعاون حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ بہرحال بعد میں پنڈت جی نے اس ہاسٹل میں آکر جھنڈا لہرایا۔ اس دن یونیورسٹی کے طالب علموں میں زبردست جوش تھا اور ہر طرف خوشی کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔

بات کی تہ کو پہنچ جانا

ایک بمبئی کی خاتون نے میرے خلاف بہت سی جھوٹی باتیں لکھ بھیجیں۔ اب تک میں سمجھ نہیں پایا کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔ ان صاحبہ نے مجھ پر الزام لگایا تھا کہ میں نے فلاں شخص کو برا بھلا کہا ہے۔ پنڈت نہرو نے ان صاحب کو بلا بھیجا اور ان سے پوچھا کہ متھائی کا اور تمہارا کیا جھگڑا ہے؟ آخر وہ صاحب پنڈت جی سے مل کر لوٹے تو میں برآمدے میں کھڑا ہوا تھا۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے فلاں صاحبہ کے سامنے مجھے برا بھلا کیوں

کہا ہے ؟ میں نے کہا " میں بے وقوف ہو سکتا ہوں ، ہو سکتا ہے کہ بہت بے وقوف ہوں لیکن اتنا احمق بھی نہیں کہ خواہ مخواہ ان کے سامنے تمہاری بُرائی کروں "۔
یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی ۔ ان صاحب کو ان محترمہ پر بہت غصہ آیا ۔ بولے " اس کی یہی عادت ہے ، وہ اپنے جھگڑوں میں دوسروں کو کھینچ لیتی ہے "۔
میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں اور مسٹر نہرو کو کس طرح اطمینان دلاؤں کہ وہ عورت جھوٹی ہے اور اس نے جو کچھ میرے بارے میں لکھا ہے سب غلط ہے ، اس پر یقین نہ کرنا چاہیئے لیکن نہرو جی شاید یہ سب خود ہی جانتے تھے ۔
ان دنوں میں سُوراج بھون الہ آباد میں رہ رہا تھا ۔ یہ اچاریہ جے ۔ پی ۔ کرپلانی کی مہربانی تھی جو اس وقت آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکریٹری تھے میں نے اس عورت کے بھیجے ہوئے خط کے بارے میں وہاں کچھ دوستوں سے مشورہ کیا ۔ آخر میں نے طے کیا خود مسٹر نہرو کو خط لکھوں اور صفائی پیش کروں ۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کچھ اس طرح کا خط لکھا :

" مجھے پتہ چلا ہے کہ کسی نے میرے خلاف آپ کو خط لکھا ہے ۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیئے کہ اس خط میں جو کچھ لکھا گیا ہے سب

غلط اور بے بنیاد ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ
چھوٹے چھوٹے نجی جھگڑوں اور ان کی بحث میں
پڑنے کو پسند نہیں کرتے۔ پھر بھی میں آپکو
یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اگر آپ تصویر کا دوسرا
رُخ دیکھنا چاہیں تو مجھے بلالیں"
مگر انھوں نے مجھے نہیں بلایا۔ اس کا کبھی ذکر بھی نہیں
کیا۔ مجھے یہ یقین ہے کہ وہ خط میرے بارے میں ان کی
رائے کو خراب بھی نہ کر سکا۔ جس عورت نے میرے بارے
میں اتنی سخت شکایت کی تھی وہ ان کی جاننے والی تھی
پھر بھی انھوں نے اس کی بات کا اثر نہیں لیا اور مجھ سے
پہلے کی طرح محبّت کا برتاؤ کرتے رہے۔ مجھے اس
بات کی خوشی ہوئی کہ نہرو نے کھُلے دل کا ثبوت دیا۔ وہ
اس خط کے بارے میں سب کچھ بھول گئے اور انھوں نے
مجھ سے کچھ بھی نہ کہا۔ لیکن ان صاحب نے جھوٹی کہانیاں
گھڑنے میں بڑی مہارت دکھائی تھی۔

محبّت بھرا دل

نہرو جب ہندوستانی میں بولتے تھے تو لفظ تلاش
کرنے میں ہکلا جاتے تھے۔ ایک بار وہ الہ آباد یونیورسٹی
کے سر پی۔ سی۔ بنرجی ہاسٹل میں رابندر ناتھ ٹیگور کی تصویر

کی نقاب کشائی کرنے گئے ۔ انھیں اس شاعر سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ ٹیگور کی موت اس وقت ہوئی تھی جب نہرو جیل میں تھے انھوں نے دیوار پر ٹیگور کی تصویر لگی ہوئی دیکھی تو ان کے ذہن میں پرانی یادیں تازہ ہوگئیں ذرا دیر کے لیے وہ خیالوں میں کھو گئے ۔ پھر انھوں نے ٹیگور کے بارے میں تقریر کی تو اس سے محبت ٹپک رہی تھی اچانک جذبات ایسے امڈے کہ ان کا گلا رندھ گیا ۔ اور انھوں نے اپنی تقریر اس جملے پر ختم کردی "مجھے خوشی ہے تصویر بے نقاب کرتے ہیں"۔ بعد کو میں نے دیکھا کہ لڑکے اس جملے کو بار بار دہراتے تھے۔ یہ بات نہیں کہ اس جملے میں کچھ بہت گہرائی ہے ، بلکہ اس لیے کہ یہ جملہ انھوں نے ایک خاص انداز سے ادا کیا تھا ۔

نہرو کی دلچسپیاں بڑی گوناگوں تھیں ۔ کسی زمانے میں وہ موہن جوداڑو گئے تھے ۔ اسے دیکھ کر ان کے دل پر قدیم ہندوستان کی شان کا گہرا نقش بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ایک مہینے بعد تک وہ جہاں بھی جاتے موہن جوداڑو کا ضرور ذکر کرتے ۔ الہ آباد یونیورسٹی میں انھوں نے اس پر گفتگو کی تھی اور سننے والوں نے بڑی دلچسپی اور توجہ سے ان کی باتوں کو سنا تھا ۔ انھوں نے اپنی تقریر کو ان مشہور مصرعوں پر ختم کیا تھا :

اے خدا میں اس زمین پر رہا، اس زمین ہی
سے پیدا ہوا۔
مگر تاروں بھرے آسمان نے مجھے پالا۔

لاٹھی چارج کرنیکی تمہاری ہمّت

نہرو ناانصافی کو کبھی برداشت نہ کرسکتے تھے اور
فوراً اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اپنی
آنکھوں کے سامنے تو وہ کوئی ایسی بات ہوتے دیکھ
ہی نہ سکتے تھے۔ ایسے موقعوں پر وہ کیا کرتے تھے
اس کا اندازہ اس قصّے سے ہو سکے گا:

۹ر اگست 1942 کو انھیں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے
دوسرے ممبروں کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ ان لوگوں کو
قلعۂ احمد نگر لے جایا جارہا تھا۔ یہ خبر سارے ملک میں
پھیل گئی۔ ہر طرف حکومت کے خلاف سخت غصّہ
پایا جاتا تھا۔ ٹرین پُونا پہنچی تو وہاں اسٹیشن پر نوجوان
لڑکوں کا بڑا ہجوم جمع ہوگیا۔ یہ لوگ نعرے لگا رہے
تھے" گاندھی جی کی جے" اور " جواہر لال نہرو کی
جے"۔

پولیس ان پر لاٹھی چارج کرنے کی دھمکیاں
دے رہی تھی۔ نہرو نے یہ سُنا تو ڈبّے کے دروازے

کی طرف دوڑے ۔ وہ غصّے میں کہہ رہے تھے :
"کیسا لاٹھی چارج ؟ کیا تم لوگ بچوں پر لاٹھی چارج کرنے کی ہمّت کر سکتے ہو ؟" ۔

ایک بھاری بھرکم پولس افسر نے ڈبّے کا دروازہ روک رکھا تھا ۔ نہرو اسے اپنی جگہ سے کسی طرح نہ ہلا سکے اس لیے ان کا باہر نکلنا ناممکن ہوگیا ۔ اس سے نہرو کو اور زیادہ غصّہ آیا ۔ آخر وہ کھڑکی کے راستے باہر کود گئے ۔ انھوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے وہ اس سارجنٹ کی طرف دوڑ رہے تھے جو لاٹھی چارج کی دھمکی دے رہا تھا ۔ آخر ایک انگریز افسر مسٹر شارپر نے اس سارجنٹ کی مدد کی اس نے پنڈت نہرو کو اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا ڈاکٹر پٹّا بھائی سیتا رمیّہ کا کہنا ہے کہ "جواہر نے اس افسر کی فولادی گرفت سے چھوٹنے کی بہت کوشش کی مگر چھوٹ نہ سکے مگر ایک ہندوستانی سپاہی جو ان کے ہاتھوں اور گھونسوں کی زد میں آگیا تھا اس کی انھوں نے خوب مرمّت کی ۔ یہ صورت دیکھی تو شنکر راؤ دیو بھی کھڑکی سے کود کے نہرو کی طرف دوڑے ۔ ظاہر ہے وہ نہرو کو انگریز افسر کی پکڑ سے چھٹکارا دلانا چاہتے تھے ۔ وہ چیختے ہوئے دوڑے تو کچھ پولس والوں نے انھیں پکڑ کر ڈبّے کے اندر دھکیل دیا ۔ جواہر لال کو بھی اسی طرح

زبردستی ڈبے کے اندر کر دیا گیا اور گاڑی پونا سے روانہ ہو گئی۔

مریضوں کی دیکھ بھال

نہرو مریضوں کی اچھی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اگر کوئی ان کے ساتھ ہو اور بیمار پڑ جائے تو وہ یہ بھروسہ کر سکتا تھا کہ نہرو محبت کے ساتھ اور اچھی طرح اس کی تیمارداری کریں گے۔ میں نے سنا ہے کہ جب وہ قلعۂ احمد نگر میں قید تھے تو راتوں کو جاگ جاگ کر اپنے بیمار ساتھیوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک ساتھی نے کہا تھا " ان کے موجود ہونے سے مریض مطمئن رہتا تھا۔ اور اس کی تکلیف بہت کم ہو جاتی تھی "۔

نہرو اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبر 1942 میں احمد نگر میں قید کر دیے گئے۔ پنڈت جی نے دل و جان سے اپنے بیمار ساتھیوں کی خدمت کی۔ ان کی ہر طرح مدد کی، باغبانی اور کھیلوں میں ان کا ہاتھ بٹایا یہ نہرو کی محنت کا ہی نتیجہ تھا کہ اس اجاڑ جگہ جو چھوٹا سا باغ لگایا گیا تھا اس کی رونق دنوں دن بڑھتی گئی۔ وہ برابر گھدائی، نرائی میں لگے رہتے، پابندی سے پانی دیتے، گھاس پوس صاف کرتے۔

ڈاکٹر پٹا بھائی لکھتے ہیں:

"انھیں صبح بہت سویرے اٹھنے کی عادت تھی۔ وہ اٹھتے ہی پکانے اور ناشتہ تیار کرنے کے کاموں میں لگ جاتے۔ پہلے صفائی کرتے، چیزوں کو ڈھنگ سے رکھتے، پھر ٹوسٹ سینکتے، انڈے تلتے، آلو اُبالتے، ترکاری چھیلتے اور بیچ بیچ میں باورچی کو کام بتاتے جاتے۔ باورچی خانے میں سب سے زیادہ چاق و چوبند وہی نظر آتے تھے۔"

آزادی کی وردی

پنڈت نہرو چیزوں کو جلدی سمجھتے تھے اور ہر معاملے میں جلدی ہی اپنی رائے قائم کر لیتے تھے۔ اپنی رائے کو ایک چھوٹے سے جملے میں ظاہر کر دینے کا کمال بھی انھیں آتا تھا۔ انھوں نے کھادی کو "آزادی کی وردی" کا نام دیا۔ اس سے گاندھی جی بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے فوراً نہرو کو لکھا:

"تم نے کھادی کو 'آزادی کی وردی' کا جو نام دیا ہے، اس کے لیے لوگ تمھیں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ تم نے یہ نام کیا رکھا ہے شاعری کی ہے۔ ویسے میرے لیے اس میں

شاعری سے زیادہ سچائی ہے ۔ ایک ایسی سچائی جس کو ابھی پوری طرح سمجھنا مشکل ہے ۔

نہرو — ایک خدمتگار

جواہر لال اپنے باپ موتی لال کا بہت خیال رکھتے تھے ۔ اس بات کا موتی لال کو بہت احساس تھا ۔ ایک بار دونوں ایک ساتھ جیل میں تھے ۔ ان دنوں موتی لال نے لکھا :

"جواہر میرا بہت خیال رکھتا ہے ۔ صبح کی چائے سے لے کر رات کو سونے تک مجھے ہر چیز وقت پر مل جاتی ہے ۔ میرا ہر کام ڈھنگ سے ہو جاتا ہے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی بہت خیال رکھتا ہے جن کاموں کے لیے مجھے آنند بھون میں اتنا چیخنا پڑتا تھا وہ سارے کام اب کہے بغیر ہو جاتے ہیں کبھی کبھی محمود بھی مدد کرتے ہیں ، لیکن کاموں کا اصل بوجھ جواہر پر ہی پڑتا ہے ۔ یہ سوچ کر مجھے اپنے آپ سے نفرت سی ہو جاتی ہے کہ میں اتنا کاہل ہوں اور جواہر کا اتنا بہت سا وقت برباد کر دیتا ہوں ۔ اس کا یہ وقت اس سے کہیں بہتر طریقے سے استعمال

ہو سکتا تھا ۔

جواہر سمجھ لیتا ہے کہ مجھے کب کس چیز کی ضرورت ہوگی اور اسے اس طرح کر دیتا ہے کہ مجھے کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے کاش اس دنیا میں ایسے بہت سے باپ ہوتے جو ایسے بیٹوں پر ناز کر سکتے !"

شاندار صحت

نہرو شاندار صحت کے مالک تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے ۔ وہ باقاعدگی سے کسرت کرتے تھے اور اپنے بدن کو ٹھیک ٹھاک رکھتے تھے ۔ اپنی صحت کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے ایک بار کہا تھا: "میں صحت کے معاملے میں خوش نصیب ہوں ۔ کانگریس کے کاموں کی وجہ سے مجھ پر بوجھ بھی بہت پڑا اور میرے کاموں کے اوقات میں باقاعدگی نہ رہ سکی ۔ پھر بھی عام طور پر میری صحت ٹھیک ہی رہی ۔ اس کا ایک سبب تو شاید یہ ہے کہ مجھے ورثے میں اچھا بدن ملا ۔ دوسرے یہ کہ میں نے اس کی دیکھ بھال کی ۔ بیماری، بُری صحت اور مٹاپے کو میں نے سدا ناپسند کیا ہے ۔ کسرت، تازہ ہوا اور سادہ غذا کی وجہ سے میں ہمیشہ ان برائیوں سے

بچا رہا ہوں"۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ان کی صحت صرف ان کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری قوم کے لیے ایک نعمت تھی۔

ہمدردی کا جذبہ

دنیا کے کسی حصے میں کوئی مصیبت آئے، کہیں کوئی تکلیف ہو، وہ پنڈت نہرو کے دل میں موجود ہمدردی کے تار کو چھو لیتی تھی۔ لوگ کسی مصیبت یا حادثے کا بے توجہی اور بغیر ہمدردی کے ذکر کرتے تو ان کو بڑی حیرت ہوتی تھی۔

نہرو نیشنل ہیرالڈ کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے چیرمین تھے۔ ان دنوں وہ اخبار کے دفتر میں اتنی بار آتے تھے جتنی بار وہ وقت نکال سکتے تھے۔ ایک دن وہ مسٹر چیلاپتی راؤ کے کمرے میں گئے اور ان سے پوچھا کہ کوئی خاص خبر آئی ہے"۔ انھوں نے بڑے چلتے ہوئے انداز میں کہا "لندن پر ہوائی حملہ ہوا۔ اس میں کوئی پچیس لوگ مارے گئے"۔ نہرو کو اس انداز پر بڑی حیرت ہوئی۔ انھوں نے دہرایا "کوئی پچیس لوگ مارے گئے۔ آپ سمجھتے ہیں یہ کوئی معمولی بات ہے۔ کوئی دل دہلانے والی بات نہیں۔؟"

آگے چل کر مسٹر چیلاپتی راؤ نیشنل ہیرالڈ کے ایڈیٹر

ہو گئے تھے ۔ انھوں نے اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

" میرا خیال ہے کہ مجھے اس سے زیادہ سخت ڈانٹ زندگی میں کبھی نہ پڑی ہوگی۔اس کے بعد مجھ میں سخت دلی باقی نہ رہی ۔ اس دن پنڈت جی سے جو سبق سیکھا تھا وہ ہمیشہ مجھے یاد رہا اور دنیا میں جب بھی کہیں کوئی مصیبت آئی مجھے یہ بات ہمیشہ یاد آگئی "

ہاں جو لوگ نیشنل ہیرالڈ پڑھتے رہے ہیں اُنھیں مسٹر راؤ کے مزاج کی اس تبدیلی کا خوب اندازہ ہے نہرو کی نظر صرف ہندوستان تک محدود نہ تھی ۔ وہ ہندوستان کو پوری دنیا کے نقشہ میں رکھ کر دیکھتے تھے ۔ ہسپانیہ (اسپین) میں ظلم اور زیادتی ہوئی تو ان کو تکلیف پہنچی ۔ یالو کی بمباری کا ان پر بہت اثر ہوا کسی ملک کے لوگوں پر مصیبت آتی تو پنڈت جی کا چین و آرام برباد ہو جاتا تھا ۔ وہ ٹھاٹ باٹ کی زندگی گزارنے والے ایک انسان تھے جو انقلابی ہو گئے تھے ۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب سارے ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں آگئی ۔ وہ بڑے نازوں کے پلے تھے مگر مشکلیں جھیلنے کے عادی ہو گئے تھے ۔ وزیر اعظم کی حیثیت سے جو کوٹھی انھیں رہنے کو ملی آرام اور آسائش کے سارے سامان تھے ،

مگر اب وہ ان کے کسی کام کے نہ تھے۔

زبردست مقبولیت

نہرو کے دل میں عوام کی سچی محبّت تھی۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ غریبوں کے گھروں میں کسی طرح خوشی اور اُجالا پہنچا دیں۔ عوام انھیں بہت چاہتے تھے اور انھیں اپنی اس مقبولیت پر بہت فخر تھا عوام ان پر جو پیار نچھاور کرتے تھے اسے دیکھ کر کبھی کبھی خوشی سے ان کا دل بھر آتا تھا۔ لوگ جہاں بھی انھیں دیکھ لیتے ان کے پیچھے دوڑتے اور انھیں دیر تک حیرت سے گھورتے رہتے۔ جب بھی موقع ملتا وہ تالیوں سے ان کا استقبال کرتے اور ان کے پیر چھوتے۔ نہرو مسکراتے تو لوگ ہنستے، وہ اداس ہوتے تو لوگ غمگین ہو جاتے اور جب وہ غصّہ میں ہوتے تو لوگ ڈر جاتے ان کی سب سے بڑی طاقت یہ تھی کہ وہ عوام میں بہت مقبول تھے۔ ملک کا بڑے سے بڑا اور اہم سے اہم آدمی ان سے اختلاف کرتا تو وہ اسے چیلنج کرنے سے نہ گھبراتے تھے۔ وہ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ لوگ اپنا فیصلہ ان پر تھوپ دیں۔ کبھی کبھی تو وہ یہ بھی کہہ گزرتے تھے کہ "یا تو میرے کہنے پر چلو یا میرا

ساتھ چھوڑ دو۔" اور کوئی ان کا ساتھ چھوڑنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔ اس طرح وہ اعتماد کا ووٹ حاصل کر لیا کرتے تھے۔

میں تم میں سے ہی ایک ہوں

نہرو چاہتے تھے کہ لوگوں میں نظم و ضبط (ڈسپلن) پیدا ہو۔ اور وہ اپنی عزّت آپ کرنی سیکھیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ ان کے پاؤں چھوئیں۔ ان کے خیال میں یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ وہ اس بُری عادت کو ختم کرانا چاہتے تھے۔ جب لوگ ان کے پاؤں چھُوتے تھے تو وہ جھنجھلا جاتے تھے۔ انھوں نے بہت بار لوگوں کو نرمی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع کیا لیکن وہ پنڈت جی کی اس صلاح پر دھیان نہیں دیتے تھے۔

ایک دن کچھ لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے انھوں نے کہا: "بھائی، تم میرے پاؤں کیوں چھُوتے ہو۔ میں کوئی خاص چیز تھوڑی ہوں۔ میں تو تم میں سے ہی ایک ہوں تمہیں کسی کے پاؤں نہیں چھونے چاہئیں۔ ہمیشہ اپنا سر اُونچا اور کمر سیدھی رکھو۔ تمہیں ہر ایک کے آگے نہیں جھکنا چاہیئے"۔

بیماروں کا خیال

نہرو اور ان کی بیوی کملا کانگریس ہسپتال میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے ۔ جب کملا علاج کے لیے سوئٹزرلینڈ جارہی تھیں تو انھوں نے گاندھی جی سے کہا تھا :

" نہرو نے سوراج بھون میں جو اسپتال قائم کیا ہے میں نے اُسے باقی رکھنے کے لیے بڑی کوشش کی ہے ۔ اگر میں یورپ میں مرجاؤں تو آپ اس کی جڑیں مضبوط کرنے اور اسے مستقل بنانے کی کوشش کیجیے گا "۔

اور گاندھی جی نے وعدہ کیا تھا کہ اس سلسلہ میں وہ جو کچھ کرسکیں گے ضرور کریں گے ۔

الہ آباد میں نہرو کو جب بھی فرصت ملتی تھی وہ کانگریس ہسپتال جاتے تھے اور ڈاکٹر کے ۔ سی ۔ مترا کے بارے میں دریافت کرتے تھے ۔ جب سے یہ ہسپتال قائم ہوا تھا ڈاکٹر کے ۔ سی ۔ مترا ہی اس کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ تھے ۔

بہت زمانہ پہلے کی بات ہے کہ پنڈت جی پابندی کے ساتھ ہسپتال جایا کرتے تھے ۔ وہ پورے ہسپتال میں گھومتے تھے اور مریضوں کی خیریت پوچھتے تھے ۔ پنڈت جی کو اپنے سرہانے پاکر مریض خوش ہوجاتے

اور ان کی تسلی سی ہو جاتی۔

ڈاکٹر مترا نے ایک بار ذرا افسوس کے ساتھ کہا:-

"میں نے کئی بڑے بڑے لیڈروں کا علاج کیا ہے۔ موتی لال نہرو، راجندر پرشاد اور جے۔ بی۔ کرپلانی میرے زیر علاج رہے ہیں۔ چاہے میں نے ان کی کسی معمولی سی شکایت کا علاج کیا ہو لیکن کیا ضرور ہے۔ مگر مجھے کبھی جواہر لال کا علاج کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ مجھ سے علاج کرانے سے بچتے ہوں۔ لیکن وہ کبھی بیمار پڑے ہی نہیں۔

ایک بار کوئی پرانا کانگریسی کارکن ہسپتال میں داخل تھا۔ نہرو اسے دیکھنے روز کئی کئی بار آتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جتنی ہو سکے اس کی مدد کریں۔ ڈاکٹر مترا اس کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جب وہ بوڑھا کانگریسی دم توڑنے لگا تو اس نے نہرو سے کہا کہ مجھے مرنے کا کوئی غم نہیں۔ میں خوش نصیب ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں تمہارا چہرہ بہت بار دیکھ سکا۔"

بہت پیار ملا

پنڈت نہرو کو اس کا بڑا احساس تھا کہ ان کے

وطن کے لوگ انھیں جی سے چاہتے ہیں اور خوشی سے انکا حکم مانتے ہیں ۔ وہ اس بات کو بہت دُکھ کے ساتھ محسوس کرتے تھے کہ وہ اپنے دیس کے رہنے والوں کے لیے اتنا نہیں کر سکے جتنے کی لوگ ان سے امّید کرتے تھے ۔ ان کی سرکار جو کچھ کر سکی تھی اس سے وہ مطمئن نہیں تھے ۔ پھر بھی وہ برابر بہت کچھ کرنے کی کوشش کرتے رہے ۔ انھوں نے خراب حالات کا مقابلہ کیا اور کبھی مایوس نہیں ہوئے ۔ وہ مرتے دم تک قوم کی خدمت کرنے کی قسم کھائے ہوئے ۔ انھوں نے کہا تھا :-

"مجھے وہ عزّت اور محبّت ملی جو کسی انسان کو نہیں مل سکتی ۔ میں لوگوں کے بے پناہ پیار کے بوجھ سے دبا ہوا ہوں ۔ آپ نے مجھے اپنا وزیر اعظم چُنا ۔ یہ بڑی عزّت کی بات ہے ۔ یہ بڑی ذمّہ داری کا کام ہے ۔ ہندوستان جیسے بڑے ملک کا وزیر اعظم ہونا ایک زبردست ذمّہ داری کو سنبھالنا ہے ۔ لیکن جو پیار اور جو عزّت آپ لوگوں نے مجھے دی ہے وہ ایسی چیز ہے جو شاید کسی وزیر اعظم نے نہ پائی ہو۔ اس کا شکریہ میں کبھی ادا نہ کر سکوں گا ۔

ہندوستان کے لاکھوں کروڑوں عوام نے مجھے

اپنے دل میں جگہ دی ہے اپنے دماغ میں جگہ
دی ہے ۔ اس کے بارے میں سوچ سوچ
کر مجھے حیرت ہوتی ہے ۔ اب میری زندگی
کی شام ہو رہی ہے ۔ پھر بھی ہندوستانی
عوام کے لیے محبّت کی آگ جو میرے سینے میں
دہک اٹھی تھی آج بھی روشن ہے اور وہ اس
وقت تک جگمگاتی رہے گی جب تک یہ بدن
راکھ نہ ہو جائے ۔ میں مرتے دم تک اپنے وطن
کے رہنے والوں کی خدمت کرتا رہوں گا جتنی بھی
مجھ سے ہو سکے ۔ ان لوگوں نے مجھ پر اتنا زیادہ
بھروسہ کیا اور اتنا بہت سا پیار دیا ۔"

نہرو خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں جینے والے
انسان تھے ۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وہ سیاست کے
اس عجیب گورکھ دھندے میں کیسے پڑ گئے ۔ بات
اصل میں یہ ہے کہ نہرو اس زمانہ میں پیدا ہوئے
جب ان کے ہم وطن بدیسی راج کے بوجھ تلے دبے
ہوئے کراہ رہے تھے اور آزادی حاصل کرنے کی کوشش
میں قربانیاں دے رہے تھے ۔ عوام سے پیار کرنے
والا ، ان کو راستہ دکھانے والا ، کوئی شخص ایسے
میں سیاست سے دور رہ بھی کیسے سکتا تھا !

÷ ÷ ÷

ملازموں کی فکر

نہرو کو اپنے ملازموں کی اور ان غریبوں کی جو انکے نزدیک تھے اتنی فکر رہتی تھی کہ اس کے خیال سے دل پر بہت اثر ہوتا ہے۔ وہ جیل میں بھی انھیں نہیں بھولتے تھے۔ آنند بھون کی مہترانی جب تک زندہ رہی نہرو الہ آباد آتے تو اس سے ضرور ملتے۔ اس کی خیریت وہ برابر پوچھتے رہتے تھے۔ مجھے یاد ہے 1943 میں انھوں نے قلعۂ احمد نگر سے اپنی بہن کو ایک خط لکھا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ برسات نزدیک ہے، اس بوڑھی مہترانی کے گھر کی مرمّت کرادی جائے۔ ایک اور خط میں لکھا تھا کہ "آنند بھون کے ملازموں کی تنخواہ بڑھا دی جائے۔ کیونکہ ہم لوگوں کے آنند بھون میں نہ ہونے سے ان کی ذمّہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔"

ایسے میں جب ملازموں کے کرنے کے لیے کوئی کام نہ ہو، ان کی تنخواہ بڑھانے کی بات پنڈت نہرو ہی سوچ سکتے تھے۔

ایک بار جیل ہی سے انھوں نے اپنی بہن کو یہ یاد دلایا تھا کہ ۲۶ جنوری کو ہمیشہ کی طرح ملازموں کو وردیاں دی جائیں۔ یہ دن اب یوم جمہوریت کہلاتا ہے اس وقت

یہ یوم آزادی کے نام سے منایا جاتا تھا۔ اس خط میں نہرو نے یہ بھی لکھا تھا کہ گنگا جو پہلے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر میں ملازم تھا اور کبھی کبھی ان کی ڈاک لیکر ڈاک خانے جایا کرتا تھا، وردی پانے والوں میں اس کا نام بھی ہونا چاہیئے۔

نہرو کا دماغ ہمیشہ بڑے بڑے مسئلوں میں اُلجھا رہتا تھا، پھر بھی وہ اپنے ملازموں کو نہ بھولتے تھے۔

گاندھی جی کی نہرو سے محبّت

گاندھی جی نہرو کو خاص طور پر اس لیے چاہتے تھے کہ وہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے اور وسیع نظر رکھتے تھے۔ گاندھی جی انھیں بہت چاہتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ وہ انھیں اپنے بیٹے کی طرح عزیز رکھتے تھے۔

1946 میں میں نے نہرو پر ایک کتاب تیار کی میں نے گاندھی جی سے درخواست کی کہ وہ نہرو کے بارے میں کچھ لکھ دیں جسے میں کتاب کے شروع میں "پیش لفظ" کے طور پر شامل کرسکوں۔ انھوں نے مضمون لکھ کر بھیجدیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے ہندی میں ایک خط لکھا جس کا ترجمہ یہاں دیا جاتا ہے۔

(ترجمہ اگلے صفحہ پر)

"
پونا، 30 ستمبر45

بھائی ٹنڈن

مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری کتاب کے لیے مضمون لکھ کر جلدی نہ بھیج سکا۔ اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مجھے فرصت نہیں تھی۔ دوسرے کچھ لکھنے میں دل نہیں لگ رہا تھا مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم جواہر لال پر کتاب لکھو اور میں اس کے لیے کچھ لکھنے کو منع کر دوں؟ میرا خیال ہے کہ مضمون بھیجنے میں میں نے بہت زیادہ دیر نہیں کی ہے۔

تمہارا

ایم۔ کے۔ گاندھی "

نڈر لیڈر

مسز نہرو نے اپنے بھائی کی انسانی خوبیوں کا ایک مضمون میں ذکر کیا ہے "نہرو آپ کے پڑوسی" کے عنوان سے یہ مضمون انھوں نے میری کتاب کے لیے لکھا تھا۔ یہ مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ انھوں نے لکھا تھا:

" لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی اس کی انسانیت ہے۔ اسی خوبی کی وجہ سے لوگ اسے

اتنا چاہتے ہیں ۔ ان کی اصل خوبی اس وقت
کھلتی ہے جب کوئی اسے خاندان کے لوگوں کے
ساتھ دیکھے ۔ وہ جس کمرے میں ہوتا ہے وہ
اس کے قہقہوں سے گونج اٹھتا ہے ۔ اسے
دیکھنا ہے تو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھو۔
کسی مریض کی تیمارداری کرتے وقت اس کے
چہرے پر جو خوشی اور اطمینان کی چمک ہوتی ہے
وہ دیکھنے کے لائق ہے ۔ اسی وقت اندازہ ہو سکتا
ہے کہ اس میں وہ کونسی عجیب طاقت ہے جو اُسے
لوگوں کے دلوں میں جگہ دلاتی ہے ۔ وہ لوگوں کے
دُکھوں اور خوشیوں میں شریک ہونا جانتا ہے۔
اس کی محبت کتنی گہری ہے ۔ اس کی محبت کتنی
دُور تک پھیلی ہوئی ہے یہ دیکھنے کی چیز ہے ۔

جواہر لال بہت پیارا شخص ہے ۔ اسے اس
وقت دیکھو جب وہ خیالوں میں کھویا ہوا ہو ۔
اس کے زرد مضبوط چہرے سے اس کی آنکھیں
دور آنے والے زمانے کو دیکھتی رہتی ہیں ۔ وہ
کیا دیکھتا رہتا ہے ؟ وہ کیا سوچتا رہتا ہے ؟
جن چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش میں اس نے
اپنی زندگی کے بہترین سال گنوا دیئے وہ اس کے
چاروں طرف ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی ہیں ۔ اس کے

خواب چکنا چور ہو رہے ہیں۔ دنیا میں ہر طرف
نفرت، بے رحمی اور جہالت کا دور دورہ ہے۔ پھر
بھی جاننے والے جانتے ہیں کہ نہرو نڈر ہے
وہ ان حالات سے گھبرانے والا نہیں۔ اس
اندھیرے میں اس کی آنکھیں زندگی کے آنے
والے ایک نئے نظام کو دیکھ لیتی ہیں جس کے
وہ خود ایک علامت ہے"۔

نہرو کی تعریف میں لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے لیکن
سب سے صحیح اور سچی بات وہ ہے جو مہاتما گاندھی نے
ان کے بارے میں کہی ہے :-

"ایک باپ، ایک بھائی، ایک قلم کار، ایک
مسافر، ایک وطن دوست اور متحد دنیا کا خواب
دیکھنے والے ایک انسان کی حیثیت سے نہرو
بہت نمایاں ہیں لیکن ان کی سب سے بڑی اور
اور سب سے خاص حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنے دیس
سے سچا پیار کرنے والے ہیں اور اس کو آزادی
دلانے کی کوشش میں حصّہ لینے والے ہیں۔ انکی
ساری دوسری حیثیتیں اس ایک حیثیت پر
قربان ہیں!"

٭ ٭ ٭

سچا ساتھی اور مددگار

'انڈی پینڈنٹ' ایک انگریزی روزنامہ تھا۔ اسے پنڈت نہرو کے والد نے الہ آباد سے جاری کیا تھا۔ نہرو کا اس اخبار سے گہرا تعلق تھا۔ یہ آگے چل کر بند ہوگیا۔ نہرو کو اس اخبار کا کوئی اچھا تجربہ نہ رہا۔ شاید انھوں نے یہ طے کر لیا ہو کہ آئندہ وہ کسی اخبار سے تعلق نہ رکھیں گے۔ پھر بھی جب 1938 میں کانگریس کا اخبار "نیشنل ہیرالڈ" لکھنؤ سے جاری ہوا تو انھوں نے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا چیرمین ہونا منظور کرلیا۔ یہ عہدہ اس وقت تک ان کے پاس رہا جب تک انھوں نے حکومت ہند کی ذمہ داری نہ سنبھالی۔ اس اخبار کی مالی دشواریاں ہمیشہ انھیں بہت پریشان کرتی تھیں۔ مسٹر کے۔ راما راؤ اس اخبار کے پہلے ایڈیٹر تھے۔ وہ ان پرانے دنوں کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پہلے تین سالوں میں بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ایک تکلیف دہ بات ہوتی تھی۔ حساب میں ہمیشہ بڑا گھاٹا نظر آتا تھا اور اسے دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی تھی۔ نہرو اکثر کہا کرتے تھے کہ اخبار کو جاری رکھنا چاہتے ہو تو آنند بھون کو بیچ ڈالو

اور اس سے روپے کی کمی کو پورا کرلو۔ خیر
اتنا بڑا قدم اٹھانے کی ضرورت کبھی پیش
نہ آئی ۔ کسی نہ کسی طرح کام چل ہی گیا۔ پھر
بھی یہ سہارا ہمارے لیے کافی تھا کہ نہرو جیسے
ہمارے ساتھ ہیں"۔

"نیشنل ہیرالڈ" کے لیے نہرو ایک بڑا سہارا تھے۔
جو لوگ 'نیشنل ہیرالڈ' میں کام کرتے تھے وہ جانتے ہیں کہ
نہرو کی وجہ سے ان کی ہمّت بندھی رہی ۔ وہ ایک
زبردست ساتھی اور مددگار تھے ۔ ان کی ذات سے
لوگوں کو کام کرنے کا حوصلہ ملتا تھا۔

ایک رات وہ آس پاس کے ضلعوں کا دورہ کرکے
لکھنؤ لوٹے ۔ وہ اپنی کار میں سیدھے 'نیشنل ہیرالڈ'
کے دفتر پہنچے اور اپنے دورے کی رپورٹ دی ۔ یہ رپورٹ
اگلے ہی دن اخبار میں چھپ گئی !۔ ایڈیٹر نے اس
رپورٹ کو پڑھا تو اسے بڑی حیرت ہوئی ۔ وہ جانتا تھا
کہ ان ضلعوں کے جتنے نامہ نگار ہیں ان میں سے کوئی اتنی
اچھی رپورٹ لکھ ہی نہیں سکتا ۔ وہ دفتر پہنچا تو پتہ چلا
کہ اپنی تقریر کی رپورٹ نہرو نے خود تیار کرکے دی تھی۔
اچانک اس کے منہ سے نکلا " اب اس پر کوئی حیرت
نہیں کہ اتنی شاندار رپورٹ کیسے تیار ہوئی "۔

ڈر کے کبھی نہ لکھو

نہرو جب کسی پر بھروسا کرتے تھے تو اس کے کام میں دخل نہ دیتے تھے اور کبھی اس کی ایمانداری پر شک نہ کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ "نیشنل ہیرالڈ" کو یہ صلاح دیا کرتے تھے کہ ہمیشہ نڈر ہو کے کڑی نکتہ چینی کرنی چاہیئے۔ اگر ایڈیٹر کانگریس کے کام اور اس کی پالیسی پر نکتہ چینی کرتا تو نہرو جی اس کا بُرا نہ مانتے تھے۔ حالانکہ یہ اخبار کانگریس ہی کا تھا۔ وہ بار بار کہا کرتے تھے کہ "جب تمہیں لکھنا ہو تو ڈر کے کبھی نہ لکھو۔ 'نیشنل ہیرالڈ' پر بڑی ذمّہ داری ہے۔ اسے قوم کی رائے بنانے کے لیے بہت بڑا کام کرنا ہے۔ بُزدلی چھوت کی بیماری ہے۔ اگر تمہیں قوم کو راستہ دکھانا ہے تو بہادر بنو۔ پھر سب تمہارے پیچھے چل پڑیں گے۔ اگر تم ہچکچاؤ گے تو لوگوں کے قدم ڈگمگانے لگیں گے اور بہت سے تو لڑکھڑا کے گر پڑیں گے۔"

ایک بار لکھنؤ میں کچھ کانگریسی لیڈروں نے نہرو سے شکایت کی کہ 'نیشنل ہیرالڈ' ان کے لیے دردِ سر بنا ہوا ہے اور اکثر ان پر سخت تنقید کرتا ہے۔ وہ ذرا دیر چپ رہے جب یہ بات دہرائی گئی تو وہ غصّے سے

پھٹ پڑے۔ سُننے والے بتاتے ہیں کہ انھوں نے کہا "آپ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں میں ایڈیٹر سے کہہ دوں کہ ہمیشہ ہماری تعریف کرتے رہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کا ایڈیٹر چیلاپتی راؤ ایک لائق آدمی ہے اور اس کی ایمانداری کے بارے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں؟ ایسا ایڈیٹر رکھنے سے کیا فائدہ جو محض خوشامدی ہو؟"

جو لوگ شکایت کر رہے تھے ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اخبار کے سلسلہ میں نہرو کا یہ روّیہ تھا۔ اسی نے اخبار کو ایسی شان دی اور اخبار نویسی کی دنیا میں 'نیشنل ہیرالڈ' کو وہ جگہ ملی جو کم اخباروں کو ملتی ہے۔ شاید یہ اکیلا اخبار تھا جس کے مینیجنگ ڈائریکٹر ایڈیٹر کے کام میں دخل دینے سے بچتے تھے۔

اخبار نویس

دسمبر 1941 میں مسز وجے لکشمی پنڈت کی صحت خراب تھی۔ اس لیے انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دو مہینے تک وہ سیاسی معاملوں میں حصّہ نہ لیں گی۔ وہ چاہتی تھیں کہ جنوری اور فروری 1942 میں لوگ کاموں کے سلسلے میں ان پر دباؤ نہ ڈالیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں

اس کے بارے میں ایک خبر تیار کر کے 'نیشنل ہیرلڈ' میں چھاپ دوں۔ وہ اس بارے میں آنند بھون کے باہری برآمدے میں مجھ سے بات کر رہی تھیں کہ نہرو آ گئے۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" انھوں نے یوں ہی پوچھ لیا۔ میں نے ساری بات بتادی۔"مگر تم یہ خبر کس طرح بناؤ گے؟ ایک ماہر اخبار نویس کی طرح انھوں نے مجھ سے سوال کیا۔ پھر بولے "مجھے ایک کاغذ دو۔ میں خود خبر تیار کیے دیتا ہوں۔" مجھے یہ بات اچھی لگی۔ وہ اچھے موڈ میں تھے۔ انھوں نے یہ خبر اپنے ہاتھ سے اس طرح لکھی:

"مسز وجے لکشمی پنڈت کچھ دنوں سے بیمار ہیں۔ ان کے ڈاکٹروں نے بار بار انھیں آرام کرنے، سفر سے بچنے اور تکان کے کام نہ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے گا وہ اب کم کام کریں گی۔ 20 دسمبر کو وہ ضلع ستیہ گرہ کانفرنس میں شرکت کرنے کانپور جائیں گی 24 کو وہ کناڈا کے لیے روانہ ہو جائیں گی جہاں انھیں آل انڈیا ویمنز کانفرنس کے اجلاس کی صدارت کرنی ہے۔ ان دو مصروفیتوں کے سوا وہ آرام کرنا چاہتی ہیں۔ وہ امید کرتی ہیں

کہ دو مہینے تک ان کے دوست اور ہمدرد انھیں کسی جلسہ وغیرہ میں شرکت کے لیے مجبور نہ کریں گے "۔

دلی کے خلاف

نہرو کو اپنا وطن الہ آباد بہت عزیز تھا ۔ نہرو کے بغیر اس شہر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ ہم میں سے بہتوں کے لیے ان کے بغیر الہ آباد شہر ایسا تھا جیسے کوئی یتیم شہر ہو ۔ جب بھی وہ سنتے کہ الہ آباد میں کوئی برا واقعہ پیش آیا ہے تو انھیں تکلیف ہوتی، اور وہ اس پر افسوس کرتے ۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ الہ آباد چھوڑ کر دلی نہ جاتے ۔ انھیں دلی پسند نہیں تھی ۔ وہ اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں:

" میں نہیں جانتا کہ لمبے عرصے تک دلی میں رہنے کا ہم پر کیا اثر پڑے گا ۔ میرا تجربہ ہے کہ وہاں لوگوں کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں ۔ وہاں رہنے کا دماغ پر برا اثر پڑتا ہے اور جسمانی صحت تو بہت برباد ہو جاتی ہے ۔ ہو سکتا ہے ہم پر بھی یہ اثر پڑے مگر مجھے امید ہے ایسا نہیں ہوگا ۔ نئی دلی

جس طرح بنی ہے وہ ہندوستان میں بے
مثال ہے اور ہندوستان ایک الگ چیز
ہے۔ دہلی میں بہت سے نامور ہندوستانی
ہیں پھر بھی دہلی ہندوستان کی نمائندگی
نہیں کرتی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ نئی دہلی
کے اس ماحول کو بدلنا اور اسے اصل
ہندوستانی ماحول کے مطابق بنانا کس حد
تک ممکن ہے۔ پھر بھی ایسا کرنے کی ہم سب
کو کوشش کرنی چاہیئے۔"

ایک تیرتھ استھان

الہ آباد میں نہرو کا مکان 'آنند بھون' ایک زیارت گاہ
ایک تیرتھ استھان کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ برسوں غیر
آباد رہا ہے اور اکثر اُجڑا اُجڑا سا نظر آیا ہے۔ لیکن سال
کے دوسرے حصّوں کی بہ نسبت ماگھ میلے کے زمانہ میں
اس کی ویرانی بڑی نمایاں ہو جاتی ہے۔ سارے سال
لوگ اس کی زیارت کرنے آتے رہتے ہیں۔
ماگھ میلے کے دنوں میں لوگ بھاردواج آشرم جاتے
ہیں یہ سڑک کے دوسری طرف ہے۔ آشرم کے ساتھ لوگ
آنند بھون جانا نہیں بھولتے۔ ہر روز لوگوں کا ایک

ہجوم آنند بھون کی زیارت کو آتا ہے مگر سب ہی اس شخص کی کمی محسوس کرتے ہیں جس کے دم سے اس کی رونق تھی یعنی نہرو کی کمی۔ یہ لوگ جب ماگھ میں یہاں آتے تھے تو جواہر لال کی جے' کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ نہرو نے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"ہمارے گھر بہت سے یاتری آیا کرتے تھے ہمارا گھر ایک تیرتھ استھان بھاردواج آشرم کے بہت نزدیک ہے۔ کسی زمانے میں یہاں ایک پرانی یونیورسٹی تھی۔ میلے کے دنوں میں ایک نہ ختم ہونے والی بھیڑ صبح سے شام تک ہمارے گھر آتی رہتی۔ اس گھر اور اس گھر کے مشہور رہنے والے یعنی میرے والد کو دیکھنے کا شوق شاید انھیں یہاں لاتا تھا۔ وہ ہمارے سیاسی نعروں سے خوب واقف تھے۔ سارا گھر دن بھر ان نعروں سے گونجا کرتا تھا۔ میرا دن اس طرح شروع ہوتا تھا کہ بیس سے لے کر پچاس لوگوں تک یا کبھی کبھی سو کے قریب لوگوں کا ہجوم آتا، میں ان میں سے ہر گروپ سے دو چار باتیں ضرور کرتا۔ مگر جلد ہی پتہ چل گیا کہ یہ کام ممکن نہیں۔ اس لیے میں بس چپ چاپ

انھیں نمستے کرلیتا ۔ آخر کار میں اس سے بھی
تھک گیا ۔ لوگ آتے تو میں چھپ جاتا ۔
یہ کوشش بھی بیکار جاتی ۔ ان کے نعروں
کی آواز اونچی سے اونچی ہوتی چلی جاتی۔ سارے
برآمدے ان یاتریوں سے بھرے ہوتے۔ ہر
دروازے اور ہر کھڑکی سے ان گنت آنکھیں
مجھ ڈھونڈ رہی ہوتیں ۔ کام کرنا، بات کرنا، کھانا
کھانا بلکہ ہر کام ناممکن ہو جاتا ۔ اس سے صرف
الجھن اور شرمندگی ہی نہ ہوتی تھی بلکہ غصّہ بھی
آتا تھا ۔ بہرحال یہ لوگ وہاں موجود ہوتے
چمکدار اور محبّت بھری آنکھوں کے ساتھ۔
ان کی پشتیں غریبی میں بسر ہوگئیں ۔ پھر بھی
ان کی آنکھوں سے محبّت اور شکرگزاری جھانکتی
تھی ۔ اور اس کے بدلے وہ صرف ذرا سی
چیز مانگتے تھے ـــــ ہمدردی اور اپنائیت
کا احساس !"

نہرو کی سالگرہ ہو یا آزادی کا دن ہو ۔ وہ دن
جب ہر طرف دھومیں مچتی ہیں اور خوشیاں منائی جاتی
ہیں ۔ آنند بھون میں اُداسی اور ویرانی چھا جاتی ہے ۔
وہ آنند بھون جو برسوں سیاسی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے،
جہاں ہندوستان کے بڑے سے بڑے آدمی اور باھر

ملکوں کے نامور لوگ آتے رہے ہیں ۔
کچھ بوڑھے لوگوں نے بتایا کہ جن دنوں آنند بھون تعمیر ہو رہا تھا کسی نے پیش گوئی تھی کہ کوئی بھی نہرو اس مکان میں بہت دنوں تک نہ رہ سکے گا نہ جانے یہ پیش گوئی تھی یا صرف وہم!
نہرو نے بہت برس جیلوں میں گزارے، ان کی بیوی کو علاج کے لیے الہ آباد سے باہر رہنا پڑا اور اندرا کچھ برس تعلیم کے سلسلہ میں باہر رہیں۔ آزادی کے بعد نہرو، انکی بیٹی اور نواسوں کا گھر دہلی ہو گئی۔ آنند بھون ویران ہی رہا۔
آنند بھون کی ایک تاریخی اہمیت ہے۔ جن دنوں آزادی کی جنگ لڑی جا رہی تھی کچھ خاص فیصلے اسی مکان میں ہوئے تھے۔ اس جگہ سے بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ بہت سے لیڈر آنند بھون سے ہی گرفتار کیے گئے۔ حکومت نے کئی بار اس کا سامان اور فرنیچر ضبط کیا۔
ایک بار آن جہانی پنڈت جواہر لال نہرو اور ڈاکٹر سیّد محمود کو گرفتاری کے وارنٹ اس وقت دیئے گئے جب وہ اسی مکان میں سوئے ہوئے تھے اور ابھی دن بھی نہ نکلا تھا۔ آنند بھون میں پولس کے آنے کے سلسلہ میں نہرو نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے:

"ہم پہلی بار دسمبر ۱۹۲۱ میں گرفتار ہوئے
اس کے بعد تو پولس بار بار ہمارے گھر
آنند بھون الہ آباد میں آنے لگی ۔ مجھ پر اور
میرے والد پر جُرمانہ کیا گیا تھا ۔ پولس بار بار
یہ جُرمانہ وصول کرنے کے لیے آتی تھی ۔
کانگریس کی پالیسی یہ تھی کہ جرمانہ ادا نہ کیا
جائے ۔ اس لیے روز پولس آتی اور سامان
ضبط کر کے لے جاتی ۔ میری بیٹی اندرا اُس
وقت چار برس کی تھی ۔ وہ پولس کی اِس
روز روز کی حرکت پر چڑتی ، جھنجلاتی اور اپنے
غصّے کا اظہار کرتی ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اِس سے
آئندہ اندرا کے دماغ میں پولس کی بُری تصویر
قائم ہو جائے گی ۔"

جس زمانے میں نہرو آنند بھون میں رہتے تھے ہر
طرح کے لوگ ان سے ملنے آیا کرتے تھے ۔ غریب ان سے
مدد مانگنے آتے تھے ۔ جن لوگوں کو پولس وغیرہ ستایا
کرتی تھی وہ لوگ یہ کہنے آتے تھے کہ انھیں اس مصیبت
سے چھٹکارا دلایا جائے ۔ لوگ ہر وقت ان کے مکان
کو گھیرے ہی رہتے تھے ۔ بیچ بیچ میں 'جواہر لال نہرو کی
جے' کے نعرے لگاتے رہتے تھے ۔ اکثر نہرو ملاقاتیوں
سے تنگ آجاتے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ صرف

ان کی محبت ہی ہے جو ان سب لوگوں کو یہاں کھینچ لائی ہے ۔ جتنی بار ممکن ہوتا وہ برآمدے میں نکل آتے اور ان لوگوں سے نرمی اور محبت کے ساتھ باتیں کرتے ۔ وہ ہمیشہ مسکرا کے ان ملاقاتیوں کا استقبال کرتے اور ان کی خیریت پوچھتے ۔ نہرو کو لوگوں سے ملاقات کرتے ہوئے اور باتیں کرتے ہوئے دیکھنا ہمیشہ دلچسپ ہوتا ۔ کبھی وہ انھیں کوئی مشورہ دیتے کبھی دلاسا دیتے اور کبھی بُرا بھلا کہتے اور اس کے ساتھ ہی بار بار ان کے چہرے کا رنگ بدلتا رہتا ۔

نہرو مذاق کرنے اور مزے دار باتیں کرنے کی بڑی صلاحیت رکھتے تھے کبھی کبھی انھیں ایک آدھ بیوقوف سے بھی پالا پڑجاتا تھا ۔ بہت دنوں پہلے کی بات ہے کہ ایک دن وہ تھکے ہارے شام کو کچھ بے وقوف لوگوں سے انھیں کے انداز میں باتیں کر رہے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے جا رہے تھے ۔ اس وقت جو لوگ آنند بھون میں موجود تھے وہ سب ہی اس سے لُطف اندوز ہو رہے تھے ۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس سے خود نہرو کی تھکن بھی دور ہو رہی تھی ۔

نہرو نے آنند بھون کو ہمیشہ بہت سلیقے سے رکھا ۔ ایسا ہونا لازمی تھا کیونکہ صفائی، ستھرائی اور سلیقہ ہمیشہ سے نہرو کے مزاج میں داخل تھے ۔ میرے

خیال سے ان کے ذہن میں یہ بات بھی صاف تھی کہ
وزیر اعظم کا عہدہ ایسا نہیں کہ ہمیشہ کسی ایک ہی آدمی
کے پاس رہے کیونکہ سیاست تو ایک بہت
خطرناک کھیل ہے۔

کچھ لوگ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ نہرو تو ہمیشہ دلّی
میں 'وزیر اعظم کے مکان' میں رہے اس لیے انکے
الہ آباد کے مکان پر کچھ بھی خرچ نہ ہوتا ہوگا۔ لیکن
وہاں ملازم تھے، مالی تھے اور ایک نگراں تھا جو اسکی
دیکھ بھال کرتے تھے۔ آنند بھون کی مرمّت اور
اس کے خوبصورت رنگ و روغن پر بڑی بڑی رقمیں
خرچ ہوتی تھیں۔ اس طرح اپنے آبائی مکان کو
ٹھیک رکھنے کے لیے انھیں بہت کچھ خرچ کرنا
ہوتا تھا۔

نہرو خود سال میں دو تین دفعہ الہ آباد جاتے تھے
اور بڑی توجہ سے اپنے مکان کی دیکھ بھال کرتے تھے
اکثر وہ بہت عُمدہ پودے اپنے ساتھ لاتے تھے
اور انھیں آنند بھون میں لگواتے تھے۔ جب وہ
الہ آباد میں ہوتے تو آنند بھون کے پیڑ پودوں کی
دیکھ بھال ضرور کرتے تھے۔

* × * × *

نہرو بارک

الہ آباد میں آنند بھون کے سوا نہرو کا ایک اور مکان بھی رہا ہے جس میں وہ بہت دنوں رہے ہیں۔ یہ ہے 'نینی سینٹرل جیل'! جنگ آزادی کے زمانے میں نہرو یہاں بہت دنوں قید رہے ہیں۔ اس جیل کی جس بارک میں انھوں نے قید کی تکلیفیں جھیلیں ہیں اس کے دروازے پر یہ عبارت کھدی ہوئی ہے:

"اس جگہ ہمارے محبوب لیڈر نہرو برطانیہ سے جنگِ آزادی کے دوران قید رہے ہیں۔
ہندوستان زندہ باد! نہرو زندہ باد!"

جب میں نینی سینٹرل جیل میں وہ کوٹھری دیکھنے گیا جس میں نہرو قید رہے ہیں تو اس عبارت نے میرا خون گرما دیا۔ پہلے اسے "کتا بارک" کہتے تھے اب یہ پاک اور متبرک جگہ ہے۔ یہ ایک طرح سے نہرو کی یادگار ہے۔ جیل کے قیدی اور افسر اب اُسے نہرو بارک کے نام سے پکارتے ہیں۔

پہلے یہ بارک خطرناک قیدیوں کے لیے تھی۔ اس کے بارے میں انھوں نے اپنے خیالات اور اپنے تجربات اپنی آپ بیتی میں تحریر کیے ہیں جو پڑھنے کے لائق ہیں۔

لکھتے ہیں :-

" میں نینی سینٹرل جیل میں تھا .... بڑے احاطے میں بائیس سو اور تئیس سو کے درمیان قیدی رہتے تھے - میرا احاطہ اس سے الگ تھا - یہ ایک چھوٹا سا گول احاطہ تھا، جس کا قطر کوئی سو فٹ رہا ہوگا - اس کے چاروں طرف تقریباً پندرہ فٹ اونچی دیوار تھی - اس کے بیچ میں ایک ٹوٹی پھوٹی بھدّی سی عمارت تھی - اس عمارت میں چار کوٹھریاں تھیں - مجھے ان میں سے دو کوٹھریاں دی گئی تھیں جو ایک دروازے کے ذریعہ جڑی ہوئی تھیں - ان میں سے ایک غسلخانے اور پاخانے کا کام دیتی تھی دوسری کچھ دنوں خالی پڑی رہی -

گرمیاں شروع ہو چکی تھیں اور مجھے رات کو اپنی کوٹھری کے سامنے کھلی جگہ سونے کی اجازت تھی - میری کوٹھری اور احاطے کی دیوار کے بیچ ایک پتلی سی کھلی جگہ تھی - میری چارپائی کو موٹی موٹی زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا - شاید یہ خیال ہو کہ میں اس چارپائی کو اوپر لیجاؤنگا اور چھت پر جا سوؤں گا - یا پھر یہ ڈر رہا ہوگا کہ میں اسے سیڑھی کی طرح استعمال کروں گا اور

دیوار پر چڑھ جاؤں گا ۔ رات کو عجیب عجیب طرح
کی آوازیں آتی تھیں ۔

میری بارک اور احاطے کو جیل میں سب
کت گھر کہتے تھے ۔ یہ پرانا نام تھا اور میری
ذات سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا ۔ یہ چھوٹے
بارک وہاں سب سے الگ خاص طور پر ان
خطرناک مجرموں کے لیے بنائی گئی تھی جن کو
سب سے الگ رکھا جاتا تھا"۔

لاکھوں کا محبوب

نہرو کو ملک میں بڑی مقبولیت حاصل تھی اور
لاکھوں آدمی ان کی پوجا کرتے تھے ۔ وہ جہاں بھی
جاتے وہاں بھاری بھیڑ جمع ہو جاتی تھی ۔ لوگ انھیں
ایک نظر دیکھنے کے لیے بے چین رہتے تھے ۔ وہ بھی
ان لوگوں کے درمیان آزادی کے ساتھ گھومنا بہت
پسند کرتے تھے ۔ لیکن جب وہ وزیر اعظم ہو گئے تو
ایسا کرنا ان کے لیے مشکل ہو گیا ۔ اوّل تو انھیں لوگوں
سے ملنے اور بات کرنے کے لیے وقت ہی نہ ملتا تھا ۔
دوسرے انھیں آزادی سے لوگوں میں گھلنے ملنے کی اجازت
دے کر حکومت ان کی جان کو خطرے میں ڈالنا

نہ چاہتی تھی ۔ جس ملک میں مہاتما گاندھی جیسے انسان کا قتل ہو گیا وہاں کیا نہیں ہو سکتا ۔ انھیں حفاظتی انتظامات کا خیال رکھنا پڑتا تھا ۔ جن لوگوں پر ان کی حفاظت کی ذمّہ داری تھی وہ انھیں ہر جگہ اکیلے جانےکی اجازت نہ دے سکتے تھے ۔ پنڈت جی ان انتظامات پر جھنجھلاتے ضرور تھے لیکن ان چیزوں کو انھیں ماننا ہی پڑتا تھا۔ ان باتوں سے وہ پریشان ہوتے تھے اور الجھن محسوس کرتے تھے ۔بمبرولی کے ہوائی اڈّے پر انھیں لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے یہ کہتے سنا گیا :

"مجھے اس خیال سے بڑی کوفت ہوتی ہے کہ
میں جس طرح لوگوں میں گھومنے پھرنے کا عادی
تھا اب اس طرح گھوم پھر نہیں سکتا"

دولت سے نفرت

موتی لال نہرو کی موت کے بعد نہرو خاندان کی کل ذمّہ داری جواہر لال کے کندھوں پر آ گئی ۔ انھوں نے اب تک گھریلو ذمّہ داریوں اور پریشانیوں سے آزاد رہ کر زندگی گزاری تھی ۔ موتی لال نہرو نے کوئی وصیت نہیں چھوڑی تھی ۔ جواہر لال کو خیال آیا کہ کہیں خاندان کے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اب کل جائداد کے مالک جواہر لال

ہیں اور باقی سب لوگ ان کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کے دل میں ایسی بات بھی آئے۔

انھوں نے اپنی بہن کرشنا کو ایک خط لکھا، اس میں کہا کہ باپ کی موت کے بعد وہ اور ماں خود کو آنند بھون اور باپ کی چھوڑی ہوئی کل جائداد کا مالک سمجھیں۔ وجے لکشمی کی اس وقت شادی ہو چکی تھی اس لیے نہرو نے اس پیش کش میں انھیں شریک نہیں کیا تھا۔

اس دولت کی دیوانی دنیا میں ایسا آدمی ملنا مشکل ہے جسے دولت سے سچ مچ نفرت ہو۔ نہرو واقعی ایسے ہی ایک انسان تھے جنھیں دھن دولت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اے۔ پی۔ ہربرٹ کی اس رائے سے اتفاق کرتے تھے کہ "دولت خوشی کی دشمن اور دکھوں کی جڑ ہے"۔

۱۱ اپریل 1955 کو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا:۔

"میرے دل میں جائداد کے لیے ذرا بھی احترام نہیں ہے۔ بس تھوڑی سی ذاتی ملکیت کافی ہے۔ ایوان مجھے معاف کرے اگر میں یہ کہوں کہ مجھے جائداد کی اہمیت کا احساس ہی نہیں ہے۔ میرے نزدیک جائداد

کا بوجھ لادے پھرنا ایک عجیب سی بات ہے۔
زندگی کے سفر میں آدمی کو ہلکا پھلکا ہونا چاہیئے
آدمی زمین، مکان یا کسی اور جائیداد کے ساتھ
بندھ کے نہیں رہ سکتا۔ میں بہرحال جائیداد
سے محبت کی بات کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔"

دولت کی شیخی مارنے والے کو نہرو ناپسند کرتے تھے۔ وہ اس بات کو بے ہودہ سمجھتے تھے کہ آدمی کو پیسے سے پیار ہو۔

ایک بار وہ نیویارک شہر میں کچھ تاجر لیڈروں کی دعوت میں شریک تھے۔ وہاں کسی نے کہا: "جناب وزیر اعظم آپ کو کچھ احساس ہے کہ اس میز پر کتنی دولت جمع ہے۔ میں نے ابھی حساب لگایا۔ آپ کم سے کم بیس ارب ڈالر کی دعوت کھا رہے ہیں"۔ پیسے کے جنون کی اس بے ہودہ نمائش پر نہرو کو بہت غصہ آیا اور وہ بہت دنوں تک اسے بھلا نہ سکے۔ انھوں نے دہلی میں چیسٹر بولز کے سامنے اکثر اس واقعے کا ذکر کیا۔

جواہر لال کے والد بھی کبھی دولت جمع کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ جب چاہیں اور جتنا چاہیں کما سکتے ہیں۔ روپیہ جمع کرنا گویا ان کی اس صلاحیت پر چوٹ تھی۔ روپے کی کمی سے نہرو کبھی پریشان

نہ ہوتے تھے ۔ انھیں یقین تھا کہ جتنے روپے کی ضرورت ہو وہ آسانی سے کما سکتے ہیں ۔

پہلے گیارہ سال کی زندگی میں نہرو کے کوئی بھائی بہن نہ تھا اس لیے وہ اُداس رہتے تھے ۔ جب ان کی بہن وجے لکشمی پیدا ہوئیں تو وہ بہت خوش ہوئے ان کے پیدا ہونے کے بعد ڈاکٹر نے نہرو سے کہا: "تم خوش نصیب ہو کہ تمہارے بہن ہوئی ہے اگر بھائی ہوتا تو تمہارے باپ کی جائیداد میں شریک ہو جاتا۔" اس بات سے نہرو کو تکلیف پہنچی اور وہ غصّہ ہو گئے اس وقت ان کے جو جذبات تھے وہ انھوں نے اپنی آپ بیتی میں اس طرح بیان کئے ہیں :-

"اس وقت میرے دل میں ایک شکایت تھی کہ سب کے بھائی بہن ہیں میرے کیوں نہیں ہیں ۔ مجھے اس کی بڑی خواہش تھی کہ کم سے کم میرا بھی ایک بھائی یا بہن ہو۔ اس وقت پتا جی یورپ میں تھے جب میری بہن پیدا ہوئی تو میں برآمدے میں تھا۔ ایک ڈاکٹر نے آکر مجھے اس کی خبر دی ۔ اس نے شاید مذاق میں یہ بھی کہہ کر مجھے خوش ہونا چاہیئے کہ میرے بھائی نہیں ہوا ورنہ وہ باپ کی جائیداد میں شریک ہو جاتا۔ مجھے بہت غصّہ آیا اور یہ

بات بہت بُری لگی میں نے سوچا یہ میرے بارے میں یہ خیال کرتا ہے کہ میرے بھائی ہوتا تو وہ جائیداد میں حصّہ دار ہو جاتا۔ ایسی بُری بات بھی کسی کے دماغ میں آ سکتی ہے!"

نہرو دھن دولت کے معاملوں میں پڑنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ روپے پیسے کی ان کے دل میں بالکل محبت نہ تھی۔ وہ دولت کو ایک بوجھ اور ایک مصیبت سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ یہ بھی مانتے تھے کہ اس دنیا میں پیسے کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن روپے کے پیچھے دوڑنا انھیں بہت ذلیل کام لگتا تھا۔ انھوں نے لکھا ہے:-

"مجھے گزر بسر کے لیے کبھی پریشانی اٹھانی نہیں پڑی۔ بلکہ مجھے اس وقت کا انتظار رہتا تھا جب میرے پاس پیسے بالکل نہ رہ جائیں۔ آج کی دنیا میں روپے اور جائیداد کی بہت اہمیت ہے لیکن جسے لمبا سفر کرنا ہو اس کے لیے یہ چیزیں ناگوار بوجھ بن جاتی ہیں۔ پیسے والوں کا ایسے کاموں میں حصّہ لینا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ جس میں کسی طرح کا جوکھم ہو۔ انھیں ہر وقت اپنا روپیہ پیسہ نکل جانے کا ڈر لگا رہتا ہے۔"

بڑے دل کا انسان

1942 کے شروع کی بات ہے کہ کوئی پرانا کانگریسی کارکن صبح ہی صبح آنند بھون آیا۔ وہ نہرو کو پیش کرنے کے لیے ہاتھ کا کتا ہوا بہت عمدہ کھادی کا سوت لایا تھا۔ نہرو کو یہ سوت بہت زیادہ پسند آیا۔ وہ اُسے گاندھی جی کو پیش کرنے کے لیے وردھا لے جانا چاہتے تھے۔ میں آنند بھون کے برآمدے میں کھڑا ہوا تھا۔ انھوں نے مجھے ایک طرف بلاکر پوچھا "اِس آدمی کو کیا دینا چاہیئے۔؟"

میرے لیے یہ بڑا مشکل سوال تھا۔ میں جانتا تھا کہ روپیہ ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میں نے سوچا کہ اگر کم پیسے بتاتا ہوں تو وہ کہیں گے کہ یہ چھوٹی طبیعت کا آدمی ہے۔ اگر اس چھوٹی سی چیز کے لیے کوئی بڑی رقم بتاتا ہوں تو وہ مجھے بے وقوف کہیں گے۔ میری قسمت اچھی تھی کہ اتنے میں ان کی بیٹی آگئیں۔ نہرو نے یہ معاملہ ان پر چھوڑ دیا۔ انھوں نے اس آدمی کو اچھی رقم دے دی۔ اور نہرو کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ وہ شخص اس امید کے ساتھ آنند بھون نہیں گیا تھا کہ اسے سوت کی کوئی قیمت

ملے گی لیکن وہ بہت خوش تھا کہ اس معمولی سے تحفہ کی نہرو نے اتنی قدر کی اور اس کا اتنا بڑا انعام دیا ۔

خوراک

وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کیلئے پھل چھیلیں یا کاٹیں ۔ وہ اسے گندی عادت سمجھتے تھے ۔ وہ کم کھاتے تھے اور مقررہ وقت پر کھاتے تھے انھیں یہ اچھا نہیں لگتا تھا کہ کھانے کی بہت سی چیزیں ایک ساتھ پیش کی جائیں ۔ وہ کم خوراک تھے اور متوازن غذا کے عادی تھے ۔ لذیذ کھانے انھیں پسند تھے لیکن اس کا مطلب وہ یہ نہ سمجھتے تھے کہ کھانا اچھا ہو تو زیادہ بھی کھایا جائے ۔

ایک دن کانگریسی لیڈروں کے کیمپ میں ایک ساتھی نے بہت مزیدار کھیر پکائی نہرو نے ایک طشتری لی ، خوش ہوکر کھائی اور اس کی تعریف کی ۔ اس سے ان صاحب کا حوصلہ بڑھا جنھوں نے وہ کھیر پکائی تھی ۔ انھوں نے کئی بار کہا کہ وہ تھوڑی سی اور کھائیں ۔ نہرو کو اس سے حیرت ہوئی ۔ انھوں نے پوچھا " آپ اس پر کیوں اصرار

کر رہے ہیں کہ میں اور کھاؤں ؟"

انھوں نے کہا "کھیر مزے دار ہے اور آپ نے پسند بھی کی ہے اس لیے اور کھائیے"

انھوں نے کہا: "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اگر مزیدار ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں زیادہ کھا جاؤں اور اپنا ہاضمہ بگاڑ لوں"

میں نے بہت بار نہرو کو کھانا کھاتے دیکھا ہے کبھی انھوں نے زیادہ نہیں کھایا۔ وہ کھانا آہستہ آہستہ نہیں کھاتے تھے۔ کھاتے میں بھی وہ کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے تھے۔ ایک دوست نے مجھے بتایا کہ نہرو اکثر اچانک کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے اور فوراً اپنے مطالعے کے کمرے میں چلے جاتے۔ کھانے کی میز پر بیٹھے لوگ حیران رہ جاتے۔

ایک بار سوراج بھون الہ آباد میں میں نے انھیں بے تکلفی سے کھانا کھاتے دیکھا۔ کھانا ہندوستانی انداز میں لگایا گیا تھا۔ وہ آلتی پالتی مار کے فرش پر دوسروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ایک معمولی کھانا تھا مگر بڑے سلیقے سے پکایا گیا تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ شوق سے کھانا کھا رہے ہیں مگر انھوں نے جلدی جلدی کھانا کھایا۔ وہ اُن لوگوں میں نہ تھے جنھیں کھانے کا خبط ہوتا ہے۔ سادہ

کھانا انھیں پسند تھا۔

نہرو ان لوگوں کو ناپسند کرتے تھے جو کھانے کو برباد کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کئی تقریروں میں لوگوں کی اس عادت کو بُرا کہا کہ وہ رکابیوں میں کافی کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ "یہ بات صحیح نہیں ہے کہ رکابیوں میں کھانا چھوڑ دینا کوئی شان کی بات ہے۔ کھانا برباد کرنا جُرم ہے۔"

یہ بات ماننی پڑے گی کہ ہندوستان کے بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے ہیں کہ متوازن غذا کیا ہوتی ہے متوسط طبقے کے خاندانوں میں کھانے کی عادتیں بگڑی ہوئی اور بے ترتیب ہیں۔ ان لوگوں کی خاطر کا طریقہ بھی نرالا ہے۔ میزبان اپنا فرض یہ سمجھتا ہے کہ مہمان کے آگے اچھے کھانوں کا ڈھیر لگا دے۔ پھر مہمان جتنا زیادہ کھائے میزبان کو اتنی ہی زیادہ خوشی ہوتی ہے اور اس کی عزّت افزائی ہوتی ہے۔

نہرو دوسری طرح کے آدمی تھے۔ وہ اپنی خوراک کا خاص خیال رکھتے تھے۔ کوئی انھیں غلط وقت پر اور بہت سی چیزیں کھلانے کی کوشش کرتا تو انھیں غصّہ آجاتا تھا۔ ایک بار وہ ایک ریاست کے وزیر اعلیٰ کے مہمان ہوئے۔ رات کے دس بجے تھے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ نہرو ایک اہم آدمی

کے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے کسی خاص معاملے میں گفتگو کر رہے تھے۔ وہ گفتگو میں کھوئے ہوئے تھے۔ لیکن ہر آدھے گھنٹے کے بعد کھانے یا پینے کی کوئی چیز لا کے ان کے سامنے رکھ دی جاتی تھی۔ پہلے ایک طشتری میں پان آئے۔ وہ جھنجھلا گئے، بولے "لے جاؤ نہیں چاہئے۔ مجھے چین سے بیٹھا رہنے دو"۔ پھر ایک گلاس دودھ آیا۔ جیسے ہی ان کی نظر گلاس پر پڑی وہ غصّے سے چیخ اٹھے۔ کہنے لگے "اسے لے جاؤ۔ اس گھر میں کھانے پینے کے کیسے واہیات دستور ہیں"۔

جلسوں کے آداب

اگر جلسوں میں لوگ شور و غل نہیں کرتے تھے اور ان کے اردگرد خاموشی سے بیٹھتے تھے تو نہرو اسے بہت پسند کرتے تھے۔ جلسے کے منتظم "بیٹھ جائیے بیٹھ جائیے" کا شور کرتے اور سارے لوگ "چپ رہو خاموش ہو جاؤ" چلّانے لگتے تو پنڈت جی کو بہت غصّہ آتا تھا۔ وہ امید کرتے تھے کہ لوگ جلسوں میں سکون سے بیٹھیں اور خاموشی سے تقریر سنیں اگر لوگ شور کرنے لگتے تو پنڈت جی منتظموں سے

کہا کرتے تھے کہ آپ جلسے کا انتظام مجھ پر چھوڑ دیجئے
سارے منتظم جس جلسے کا انتظام ٹھیک طرح نہ کر سکتے
اسے وہ اکیلے ذرا سی دیر میں بڑی کامیابی کے ساتھ
سنبھال لیا کرتے تھے ۔ وہ اس بات کو پسند نہ
کرتے تھے کہ لوگ جلسوں میں ان کی تعریفیں کریں ۔
سپاس نامے پیش کریں اور آخر میں کچھ مطالبے پیش
کریں ۔ ایک بار انھوں نے کہا تھا کہ " یہ بات بہت
بُری لگتی ہے کہ ایک ہی جلسہ میں کسی کی خوب تعریف
کی جائے اور پھر اس کے سامنے کچھ مانگیں بھی رکھ
دیجئے ۔

وہ لمبی لمبی تقریروں اور بھدّی نظموں کو جو بُرے
انداز میں پڑھی جائیں پسند نہیں کرتے تھے ۔ نہرو کو
اچھی اور صاف سُتھری چیزیں پسند تھیں ۔ وہ چاہتے
تھے کہ جلسوں کے بھی آداب ہوں اور ان کا خیال
رکھا جائے ۔

فسطائیت سے نفرت

ساری زندگی نہرو دنیا کے بہت بڑے بڑے
آدمیوں سے برابری سے ملے ۔ 1935 میں وہ انگلستان
میں تھے ۔ ایک دوست نے ان سے کہا کہ لارڈ ہالی فاکس

نے انھیں دیکھا نہیں ہے اس لیے وہ ان سے ملنے چلے جائیں۔

1936 میں اپنی بیوی کی موت کے بعد ہندوستان لوٹتے ہوئے نہرو روم سے گزرے۔ وہاں انھوں نے مسولینی سے ملاقات کرنی منظور نہ کی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ فسطائیوں سے نفرت کرتے تھے لیکن اس وقت دنیا کے معاملات میں مسولینی ایک بہت اہم رول ادا کر رہا تھا۔ ممکن ہے اس لیے وہ اس سے ملاقات کرنا پسند کرتے۔ پھر بھی نہرو نے اس سے ملنا پسند نہ کیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ فسطائیت کا جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والے اس ملاقات کو توڑ موڑ کر پیش کریں اور لوگ اس کا غلط مطلب نکالیں۔

پنڈت جی کا راز

جواہر لال نہرو جب بچے تھے تو شریر تھے، ضدّی تھے، بہادر تھے، ہنس مکھ تھے۔ وہ بدلے نہیں۔ اگر وہ سیاسی لیڈر یا وزیر اعظم نہ ہوتے تو انھوں نے ہندوستان کو اور اچھی طرح سمجھا ہوتا، زیادہ کتابیں لکھی ہوتیں اور زیادہ رائلٹی کمائی ہوتی۔ اگر وہ کتابیں نہ لکھتے تو وہ مکھیاں مارتے یا تتلیاں پکڑتے۔ پرائم منسٹر

ہاؤس میں نہ مکھیوں کی کمی تھی نہ تتلیوں کی ۔ وہ صبح
سویرے سے بہت رات گئے تک برابر آتی رہتی
تھیں ۔ وہ جتنا مکھیوں کو مارتے وہ اتنی ہی زیادہ انھیں
ستانے آتیں ۔ ان کی مسکراہٹ جھنجھلاہٹ میں بدل جاتی
چہرے سے غصہ ٹپکنے لگتا اور الجھن ظاہر ہونے لگتی
لیکن وہ اپنے آپ پر حملے کرنے کے لیے لوگوں کو دعوت
دیتے تھے کیونکہ وہ ابھی تک ایک ضدی بچے تھے اور
حملہ برداشت کر سکتے تھے ۔ ان پر حملہ کرنے میں کوئی
خطرہ نہ تھا کیونکہ وہ پلٹ کر حملہ نہ کرتے تھے ۔

ان کا انداز ہی الگ تھا ۔ نہ ان کی مسکراہٹ اوروں
جیسی تھی اور نہ ان کا غصہ ۔ سیاست داں ان کی ایمانداری
کو دیکھ کر سوچتے تھے کہ وہ سیاست داں بننے کے لیے
پیدا نہ ہوئے تھے ۔

ان کے دل کی تازگی آخر تک باقی رہی ۔ وہ وہی نڈر
لڑکے رہے تتلیاں پکڑنے والے لڑکے ۔ وہ دھوکا کھانے
کو ہمیشہ تیار رہتے تھے مگر دھوکا دینا ان کے بس کی بات
نہ تھی ۔ عمر کے ساتھ ان میں پختگی آئی مگر ان کا چہرہ
کمھلایا نہیں ۔ ان کا جسم ایک تجربہ کار سیاست داں
کا سا تھا مگر ان کا دل ایک کھلنڈرے بچے کا سا رہا
ہندوستان بدل گیا تھا ۔ کسی حد تک پنڈت جی بھی
بدل گئے تھے مگر ان کا دل نہیں بدلا تھا ۔

پنڈت جی کا راز یہ تھا کہ ان کے سینے میں ایک بچّے کا دل تھا۔ بچّے کا بھولا پن، بچّے کی تازگی، عجیب چیزوں کو دیکھ کر بچّے کا حیران ہونا۔ یہ ساری باتیں ان میں تھیں۔ توپیں اور طیارے ان کے لیے عجیب کھلونے تھے، پیداواری منصوبے ان کے گورکھ دھندے تھے۔ بھیڑ سے وہ خوش ہوتے تھے، نمائشیں انکے لیے پریوں کا دیس تھیں۔ سیاسی سفر ان کے لیے ایسے تھے جیسے پرانے لوگوں کے بحری سفر اور مہمیں۔ ان کے ساتھی گویا ان کے ہمجولی تھے، کاموں میں رکاوٹ ان کے لیے غصّے کا سبب بنتی تھی۔ ان کو بہت جلدی غصّہ آجاتا تھا مگر ان کا دماغ ان کے قابو میں رہتا تھا۔ وہ لوگوں پر حکومت کرتے تھے مگر انکا انداز ایک بزرگ ساتھی کا سا ہوتا تھا۔

انھوں نے مصیبتیں جھیلیں، ہمّت کے کام کیے، رکاوٹوں سے لڑے، دوست بنائے، کامیابیاں حاصل کیں مگر گھمنڈ سے بچے رہے۔ محض ایک ہی گروپ ان کے پیچھے نہ تھا، وہ سارے ہندوستان کے رہنما تھے۔ ایسے رہنما جیسا کوئی پرانے سے پرانا لیڈر بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ مغرب کو مشرق سے زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے۔ پھر بھی وہ ایشیا کی علامت تھے۔ وہ آنے والے دور اور اس کے تقاضوں کو

سمجھتے تھے ۔ اس لیے دنیا کے زبردست سیاست
دانوں میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔
ان کی اصل حیثیت وزیر اعظم کی نہیں پنڈت جی کی
تھی ۔ وزیر اعظم کوئی بھی ہوتا ہم سب کی یہ خواہش ہوتی
کہ پنڈت جی سدا ہمارے ساتھ رہیں ۔ وہ ایسی ہی
خوبیوں کے مالک تھے ۔
(شنکر ویکلی سے لیا گیا)

نہرو الہ آباد میں

اگر آپ نہرو کو الہ آباد میں دیکھتے تو آپ کو پتہ چلتا
کہ وہ وہاں اس آدمی سے مختلف ہیں جس کو آپ نے
دہلی میں یا کسی اور جگہ دیکھا ہوگا ۔ اپنے وطن میں
بس وہ آنند بھون کے جواہر لال نہرو تھے یعنی وہ
شخص جس نے اپنے شہر والوں کے ساتھ برسوں کام
کیا تھا اور جو ان کے غموں اور خوشیوں میں شریک
رہا تھا ۔ جب بھی ان کا طیارہ الہ آباد میں اترتا...
انھیں بیتے ہوئے دن یاد آجاتے اور ان اپنوں کا خیال
آتا جو اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے ۔
جب بھی وہ الہ آباد آئے سیکڑوں لوگ بمرولی
ہوائی اڈے پہنچ جاتے ، سڑکوں پر انتظار کرتے ،

آنند بھون کے پھاٹک پر جمع ہو جاتے ، نہرو کو پھولوں سے لاد دیتے اور "جواہر لال کی جے" کے نعرے بلند کرتے، کیوں ؟ کیا انھوں نے جواہر لال کو پہلے نہیں دیکھا ؟ کیا وہ انھیں لگاتار برسوں تک نہیں دیکھتے رہے ؟ کیا وہ انھیں دیکھتے دیکھتے تھکے نہیں ؟ کیا انھوں نے نہرو کو ملک کے دوسرے حصّوں میں رہنے والوں کے مقابلہ میں زیادہ نہیں دیکھا ؟ پھر کیا بات ہے کہ لوگوں کو جب بھی معلوم ہوتا کہ وہ باہر جا رہے ہیں یا باہر سے واپس آ رہے ہیں تو ہر بار آنند بھون کے باہر بے پناہ ہجوم اکٹھا ہو جاتا ؟

در اصل وہ انھیں دیکھتے ہوئے تھکتے نہیں تھے۔ وہ تو ان کے پجاری تھے ، انھیں اپنے پڑوسی اپنے شہر کے اس رہنے والے —— جواہر لال —— پر ناز تھا ۔

اور نہرو ان کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے ؟ ہوائی اڈّے سے آنند بھون تک وہ کھلی کار میں آتے تھے ، کافی دیر اس میں کھڑے رہتے تھے ، جانی پہچانی مسکراہٹیں اور محبت ان انتظار کرنے والوں پر بکھیرتے رہتے تھے ۔

آنند بھون میں وہ اپنے اتنے پرانے ساتھیوں اور دوستوں سے ملتے تھے ، جتنوں سے ملنا ممکن تھا۔ یوپی

گورنمنٹ کے وزیر، وزیراعظم سے نہیں بلکہ جواہر لال نہرو سے ملنے کے لیے الہ آباد آیا کرتے تھے۔ وہ لوگ پرانے دنوں کے جواہر لال نہرو سے وہیں مل سکتے تھے اور پرانی یادوں کو تازہ کر سکتے تھے۔ جب آنند بھون میں نہرو اور ان کے پرانے ساتھیوں کی ملاقات ہوتی اور بے تکلف بات چیت ہوتی تو ایسا لگتا کہ جیسے کسی ایک کنبے کے بچھڑے ہوئے لوگ آپس میں مل رہے ہیں۔ ایسے موقعوں پر اندرا گاندھی بڑی خوبی کے ساتھ میزبانی کے فرائض ادا کرتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ کس موقع پر کیا کرنا چاہیئے اور مہمانوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کے پاپو کیا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ الہ آباد کے لوگ یہ خیال کریں کہ اب نہرو خاندان کے لوگ بدل گئے ہیں۔ ان کو اب اپنے دوستوں اور پڑوسیوں سے لگاؤ نہیں رہا۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ آنند بھون میں نہرو کے قیام کے دوران ہر مہمان اور ملاقاتی کی طرف مناسب توجہ کی جائے۔

جب نہرو آنند بھون میں ہوتے تو وہ بار بار لوگوں سے ملنے کے لیے برآمدے میں آتے اور لوگ انھیں پیار بھری نظروں سے دیکھتے۔ وہ ذرا دیر ان سے باتیں کرتے پھر چپ سے ہو جاتے۔ جو لوگ موجود ہوتے وہ چُپ چاپ اور ادب کے ساتھ انھیں دیکھتے رہتے۔

ان کے سفید چاندی سے بال جنھیں نائی کی قینچی دیکھنی کم ہی نصیب ہوتی تھی بے ترتیبی سے بکھرے رہتے سر پر بال کم تھے اور سر کے کچھ حصے پر اور بھی کم۔

ان کے ہاتھ میں چھوٹا سا ڈنڈا ہوتا تھا جس سے ان کے بدلتے ہوئے موڈ کا پتہ چلتا تھا۔ وہ کسی سوچ میں ہوتے تو اسے مضبوطی سے اور زیادہ مضبوطی سے تھام لیتے۔ ان کا نچلا ہونٹ ذرا سا باہر کو نکلا ہوا لرزتا رہتا اور وہ ہونٹوں میں کچھ بولتے رہتے سوچنے کا یہ عالم ذرا دیر رہتا پھر وہ پُرسکون معلوم ہونے لگتے۔ ڈنڈے پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی۔ وہ مسکراتے اور ڈنڈے کو کبھی اس ہاتھ میں لیتے کبھی اس ہاتھ میں اور پھر اچانک پوچھتے "کہو سب ٹھیک ہے؟" مجمع خوش ہو جاتا۔ وہ مسکراتے اور 'جے ہند' کہکر رخصت ہو جاتے۔

میں نے 15 اپریل 1956 کو انھیں نزدیک سے دیکھا تھا الہ آباد کے دیہات کا دورہ کر کے اور تقریریں کر کے وہ آنند بھون لوٹ رہے تھے، وہ بہت تھکے ہوئے تھے گنگا کے ریت پر ان کی کار بڑے شاہانہ انداز سے چل رہی تھی۔ ٹھنڈی تازہ ہوا انھیں تازہ دم کر رہی تھی۔ ان کی کار پُل پر پہنچی تو انھوں نے اٹھ کر اِدھر اُدھر نظر ڈالی تاکہ اس زبردست اور شاندار دریا کو ایک

نظر دیکھ سکیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس عظیم الشان دریا سے وہ توانائی حاصل کر رہے ہیں۔

پھر وہ اپنے حلقۂ انتخاب میں داخل ہو گئے۔ ہزاروں آدمی ان کی کار کے گرد جمع ہو گئے۔ پولس کے سارے انتظامات بے کار ہو گئے اور مجمع نے انھیں گھیر لیا۔ وہ اپنی کار کی سیٹ پر کھڑے ہو گئے اور لوگ انھیں پھول پیش کرنے لگے۔ وہ بار بار نعرے لگاتے:

"جواہر لال کی جے۔"

کار بہت آہستہ آہستہ رینگتی رہی اور وہ اسی طرح کھڑے رہے۔ اس وقت وہ اپنے آپ سے شاید کچھ اس طرح کی بات کہہ رہے تھے:

"اس علاقے میں جہاں لوگ مجھے اتنا چاہتے ہیں پچھلے الکشن میں یہاں ایک سادھو میرے مقابلے میں کھڑا ہوا۔ مگر کیوں نہیں؟ کوئی بھی میرے مقابلے میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ یہ ایک جمہوری ملک ہے۔"

کار چلتی رہی۔ وہ کبھی آگے دیکھتے کبھی مڑ کر پیچھے دیکھتے۔ ہر طرف انسانوں کا سمندر سا تھا۔ وہ چاروں طرف اپنی محبت بھری مسکراہٹ بکھیرتے رہے۔

آنند بھون آ گیا۔ "جواہر لال کی جے" سے آسمان تک گونج اٹھا۔ انھوں نے ہاتھ جوڑ کر لوگوں کو نمستے

گیا وہ برابر مسکرا رہے تھے ۔ اپنے پڑوسیوں کی محبت کا ان پر بہت اثر ہوا تھا ۔

اب شام ہوگئی تھی ۔ وہ بہت تھکے ہوئے نظر آرہے تھے ۔ اخبار نویس پریس کانفرنس کے لیے انکا انتظار کر رہے تھے ۔ جس وقت انھیں پریس کانفرنس کے لیے آنا تھا وہ نہیں آئے ۔ میں نے پتہ لگایا کہ دیر کیوں ہو رہی ہے ۔ کسی نے بہت ہمدردی سے بتایا:

"وہ تیار ہیں مگر بہت تھکے ہوئے ہیں۔ ذرا ان کی آنکھ جھپک گئی ہے "۔ میں نے مشورہ دیا " ان کے آرام میں ہرگز خلل نہ ڈالیے ، بالکل جلدی نہیں ہے"۔

چند منٹ کے بعد وہ اخبار والوں سے ملاقات کرنے کے لیے ملاقات کے کمرے (ڈرائنگ روم) میں آگئے ۔ وہ بہت تھکے ہوئے نظر آرہے تھے ۔ پریس کانفرنس کے انتظام میں میرا بھی ہاتھ تھا ۔ میں خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا کہ ہم لوگ تھکے ہوئے پنڈت جی کو اور تھکا رہے ہیں ۔ بہرحال کانفرنس ہوئی ۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے ۔ ان کی آواز دھیمی اور کمزور تھی ۔ اس وقت وہ بہت بجھے ہوئے نظر آرہے تھے ۔ ان کے جانے پہچانے غصے کا دور تک کہیں نشان نہ تھا ۔ ان کا لہجہ دھیما تھا اور ان کے چہرے سے نرمی ٹپک

رہی تھی ۔

اگلے دن صبح کو وہ الہ آباد میونسپلٹی کے عجائب گھر گئے ۔ وہ اپنے ساتھ ایک ٹوکری میں کچھ سامان لے گئے ۔ یہ وہ چیزیں تھیں جنھیں ان کے ماں باپ استعمال کرتے تھے ۔ یہ چیزیں انھوں نے عجائب گھر کو پیش کر دیں ۔ وہاں سے وہ ہوائی اڈّے چلے گئے ۔ یہاں پھر ایک زبردست ہجوم انھیں خدا حافظ کہنے کے لیے جمع تھا ۔ انھوں نے دوستوں سے ہاتھ ملایا ، کچھ ساتھیوں کے کندھے تھپتھپائے ، کچھ بچّوں سے پیار کی باتیں کیں ۔ اور طیّارے کی طرف بڑھ گئے ۔ اس وقت وہ شاید اپنے آپ سے کہہ رہے تھے :

"میں یہاں جلدی جلدی آیا کروں گا ۔ لیکن آدمی کے سارے خواب تو پورے نہیں ہوتے"۔

نہرو آپ اپنی نظر میں

نہرو نے "چانکیہ" کے فرضی نام سے اپنے بارے میں ایک مضمون لکھا تھا ۔ اس کا عنوان تھا "راشٹرپتی" نومبر 1937 میں یہ مضمون "ماڈرن ریویو" میں چھپا تھا ۔ پنڈت جی خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں جینے والے آدمی تھے ۔ لیکن اس مضمون میں انھوں نے اپنی تصویر

غیر جانبداری کے ساتھ کھینچی تھی ۔

اسس مضمون میں یہ بتایا گیا تھا کہ نہرو کس طرح کے سیاسی آدمی ہیں ۔ اور ان کے اندر جو ایک "ڈکٹیٹر" چھپا ہوا تھا اسس کا اور ان کی کچھ عادتوں کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ لیجئے اب وہ مضمون پڑھیئے :۔

راشٹرپتی جواہرلال کی جے

راشٹرپتی لوگوں کی بھیڑ میں سے گزرے
تو انھوں نے سر اٹھا کے ہجوم کو دیکھا ۔ اور
ان کے ہاتھ اوپر اٹھے اور آپس میں مل گئے
اب وہ ہاتھ جوڑکر لوگوں کو نمستے کر رہے تھے۔
ان کے زرد مضبوط چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی
یوں لگا جیسے ان کے چہرے پر روشنی سی پھیل
گئی ۔ یہ مسکراہٹ اپنائیت کی گرم مسکراہٹ
تھی ۔ ہجوم نے فوراً مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ
سے دیا اور زور دار تالیاں بجائیں ۔

مسکراہٹ ختم ہوگئی ۔ ان کا چہرہ پھر اسی طرح
سخت اور اُداسس ہوگیا ۔ اب اس پر کسی طرح
کا تاثر نہ تھا ۔ انھوں نے مجمع میں تو جوشس
پیدا کر دیا تھا اور خود بے تعلق ہو گئے تھے ۔

ان کے چہرے پر ابھی جو مسکراہٹ پھیلی تھی اور جو اپنائیت نظر آئی تھی وہ شاید سب بناوٹی تھی۔ وہ عوام کے محبوب بن گئے ہیں اور شاید یہ عوام کو اپنی طرف کھینچے، اس کی محبت حاصل کرنے کی ترکیبیں ہیں ۔

انھیں پھر غور سے دیکھیے، بے پناہ ہجوم ہے، ہزاروں لاکھوں لوگ ان کی کار کو گھیرے ہوئے ہیں خوشی سے بے سُدھ ہوکر یہ لوگ بار بار تالیاں بجا رہے ہیں ۔ اب وہ کار کی سیٹ پر کھڑے ہو گئے ہیں ۔ انھوں نے اپنے بدن کو سادھ لیا ہے ۔ اب وہ سیدھے کھڑے ہیں انکا لمبا قد اور لمبا نظر آرہا ہے ۔ جیسے کوئی دیوتا کھڑا ہو ۔ بے پرواہ اور ہجوم کی طرف سے بے نیاز ان کے چہرے پر وہی مسکراہٹ پھیل گئی ۔ اب وہ ہنس رہے ہیں ۔ ایسی ہنسی جو خوشی سے پھوٹتی ہے ۔ ان کے چہرے پر اُلجھن کے جو آثار تھے وہ ختم ہو گئے ہیں ۔ ساری پبلک ان کے ساتھ ہنس رہی ہے یہ جانے بنا کہ یہ ہنسی کس بات پر ہے ۔ اب وہ دیوتا کے روپ میں نہیں انسان کے روپ میں ہیں ۔ جو ہجوم انھیں گھیرے ہوئے ہے اب وہ اسی میں سے ایک ہیں، اُنکے

ساتھی اور ان کے دُکھ درد کے شریک ۔ لوگ ان کی دوستی پاکر بہت خوش ہیں انھوں نے اس لیڈر کو اپنے دل میں جگہ دے دی ہے لیجئے وہ مسکراہٹ پھر غائب ہوگئی ۔ پھر وہی زرد اور سخت چہرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ۔

اس شخص کے یہ روپ آپ سے آپ بدل جاتے ہیں یا یہ کوئی سوچی سمجھی ترکیب ہے ۔ لوگوں کے دل جیتنے کی کوئی چالاکی جو لیڈروں کا طریقہ ہے ! شاید دونوں ہی باتیں ہیں ۔ برسوں اداکاری (ایکٹنگ) کرتے کرتے شاید یہ رُوپ بدلنا اب عادت بن گئی ہے ۔ سب سے کامیاب اداکاری وہی تو ہوتی ہے جو اداکاری نہ لگے ۔ نہرو نے یہ اداکاری خوب سیکھ لی ہے ۔ بڑے اداکار اونچے ایکٹر میک اپ کے بغیر عمدہ اداکاری کر لیتے ہیں ۔ نہرو کا بھی یہی حال ہے ۔ اب اسے کوشش کر کے ایکٹنگ نہیں کرنی پڑتی ۔ سب کچھ آپ سے آپ ہوتا رہتا ہے اور بہترین طریقے سے ! یہ ساری چیزیں اس لیڈر کو اور اس کے ملک کو کدھر لے جائیں گی ؟ آخر وہ چاہتا کیا ہے ؟

ظاہر میں نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کچھ چاہتا ضرور ہے۔ اس نے اپنے چہرہ پر جو نقاب ڈال رکھی ہے اس کے پیچھے ہے کیا؟ کون سی خواہش چھپی ہوئی ہے۔ طاقت اور حکومت کی خواہش! نہ بجھنے والی پیاس!

یہ سوال بہرحال دلچسپ ہیں کیونکہ نہرو کی شخصیت ہی ایسی ہے جو دلچسپی اور توجہ کو اپنی طرف کر ہی لیتی ہے۔ یہ چیزیں ہمارے لیے بہت اہم ہیں کیونکہ نہرو آج کے ہندوستان بلکہ آنے والے کل کے ہندوستان سے بھی جڑا ہوا ہے۔ اس میں اس دیس کو زبردست فائدہ پہنچانے اور زبردست نقصان پہنچانے کی بڑی طاقت چھپی ہوئی ہے۔ اس لیے ہمیں ان دو سوالوں کا جواب چاہیئے۔

اس وقت تقریباً دو برس سے وہ کانگریس کا صدر ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کانگریس کمیٹی کا معمولی ممبر ہے جس کے اختیار کو اس کے ساتھی ممبر بڑھنے نہیں دیتے۔ لیکن اس نے آہستہ آہستہ مگر لگاتار اپنی شخصی وقعت اور اثر کو عوام میں بھی بڑھا لیا ہے اور باقی ہر طرح کے لوگوں میں بھی۔ وہ

کسانوں پر بھی اثر رکھتا ہے اور مزدوروں پر بھی زمین داروں پر بھی اور سرمایہ داروں پر بھی، تاجروں پر بھی اور خوانچہ لگانے والوں پر بھی، برہمنوں اور اچھوتوں پر بھی اور دوسری طرف مسلمانوں، سکھوں پارسیوں، عیسائیوں اور یہودیوں پر بھی۔ ہندستان میں بسنے والے ہر طرح کے لوگ اس کے اثر میں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سے وہ ذرا سی بدلی ہوئی زبان میں گفتگو کرتا ہے۔ وہ ہر طرح ان کا دل جیتنے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس عمر میں اس میں اتنی طاقت ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس نے پورے ملک کا دورہ کیا ہے اور ہر جگہ عوام نے اس کا زبردست استقبال کیا ہے۔ شمال سے کیپ کمورن تک فاتح قیصر کی طرح وہ ہر جگہ گیا ہے اور اپنے پیچھے طرح طرح کی کہانیاں اور فتح کی نشانیاں چھوڑ گیا ہے۔ کیا یہ سارا کام وہ صرف کھیل تماشے کی طرح کر رہا ہے یا اس کی تہ میں کوئی گہرا پلان یا پھر کوئی ان دیکھی طاقت ہے جو اس سے یہ کام کرا رہی ہے اور اسے خود بھی اس کا پتہ نہیں؟ یا پھر یہ وہ

قوت ارادی ہے جس کا اس نے اپنی آپ بیتی
میں ذکر کیا ہے اور یہی طاقت اسے ہجوموں اور
مجمعوں میں لیے پھرتی ہے ۔ وہ اپنے آپ سے
کہتا ہے :

عوام کا یہ سمندر میری مٹھی میں ہے
اور تاروں بھرے آسمان پر اس نے میرا
حکم تحریر کر دیا ہے ۔

کیا ہو اگر اس کے ارادے بدل جائیں ؟
جواہر لال سا آدمی جس میں اتنے عمدہ اور اتنے
بڑے بڑے کام کرنے کی طاقت ہو وہ جمہوریت
کے لیے خطرہ بھی ہو سکتا ہے ۔ وہ خود کو سوشلسٹ
کہتا ہے ، جمہوریت پسند بتاتا ہے اور اس میں
شک نہیں کہ دل سے ہے بھی ۔ لیکن نفسیات
کے ماہر یعنی انسانی ذہن کو سمجھنے والے جانتے
ہیں کہ دماغ آخر کار دل کے قابو میں ہوتا ہے
مطلب یہ کہ انسان کی خواہشات اس سے
کسی بھی وقت کچھ بھی کرا سکتی ہیں ۔ ذرا سا
بدلے تو جواہر لال ایک ڈکٹیٹر بھی بن سکتا
ہے اور جمہوریت کے سارے جھمیلوں کو طاق
میں رکھ سکتا ہے ۔ ہو سکتا ہے وہ ڈکٹیٹر بنے
بیٹھے اور نعرے استعمال کرے جمہوریت کے

اور سوشلزم کے ۔ ہم میں سے کون نہیں جانتا
کہ انھیں نعروں کو استعمال کر کے فاشزم پھولا
پھلا ہے اور بعد میں ان نعروں کو اس نے
ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے ۔

جواہر لال یقیناً فسطائی نہیں ہے ۔ نہ ذہن
سے نہ مزاج سے ۔ فسطائیت کا بھدّا پن اور
اس کا کھردرا پن نہرو کے نفیس مزاج سے
میل نہیں کھاتا ۔ اس کا چہرہ اور اس کی
آواز ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ :

نجی مقامات پر نمائشی چہروں سے
نمائشی مقامات پر نجی چہرے
کہیں اچھے اور کہیں زیادہ دانشمند
ہوتے ہیں ۔

ایک فسطائی انسان کا چہرہ نمائشی چہرہ
ہوتا ہے ۔ اور نجی محفل ہو یا عوامی جلسہ ایسا
چہرہ خوبصورت اور دل کو اچھا لگنے والا چہرہ
نہیں ہوتا ۔ جواہر لال کا نہ چہرہ نمائشی ہے اور
نہ آواز ۔ اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ وہ کوئی
مجمع ہو یا عوامی جلسہ ہر جگہ اس کی آواز میں
اپنائیت سی لگتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے
کہ الگ الگ وہ ہر ہر آدمی سے بات کر رہے

ہوں ۔ ہر ایک کو ایسا لگتا ہے جیسے وہ اسی سے گفتگو کر رہے ہوں ۔ ہر ایک اس کی باتیں سُنکر حیران ہوتا ہے ۔ اس کا چہرہ دیکھ کر ہر ایک سوچتا ہے کہ اس کے پیچھے کیا کیا چھُپا ہوا ہے ۔ کیا کیا خواہشیں، کیسے کیسے خیالات، کیسے جذبات اور کیسی پیچیدگیاں اس چہرے کے پیچھے پوشیدہ ہیں ۔ وہ کون سے جذبات ہیں جو دب کر قوّت کی شکل میں بدل گئے ہیں ۔ اس کے دل میں کون سی خواہشات چھپی ہوئی ہیں جن کو وہ اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھتا ہے ؟ ۔

جب وہ پبلک کے سامنے تقریر کرتا ہے تو خیالوں کا سلسلہ اُسے اپنے قابو میں رکھتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کے چہرے سے بے بسی ظاہر ہوتی ہے اور اس کے خیالات بھٹکتے ہوئے کسی اور ہی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں ۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی سے بات کرتے کرتے کھوگیا اور آہستہ آہستہ ان خیالی تصویروں سے باتیں کرنے لگا جو اس کے ذہن میں اُبھر آئے تھے ۔ کیا اسے ان لوگوں کی یاد آنے لگتی ہے جو زندگی کے سفر میں

اس سے بچھڑ گئے ۔ ان کی جُدائی شاید اسے
بہت ناگوار ہوتی ہے اور وہ ان کی یادوں میں
کھو جاتا ہے ۔ یا وہ آنے والے زمانے کے
خواب دیکھتا ہے ۔ اس دنیا کا تصوّر کرتا ہے
جو خود اس کے ہاتھوں سے بننے والی ہے ؟
کیا وہ مستقبل کی اس دنیا کی الجھنوں میں گرفتار
ہو جاتا ہے ؟ کیا وہ ان کامیابیوں کا تصوّر کرتا
ہے جو آنے والی دنیا میں اسے حاصل ہونگی ؟
وہ ضرور جانتا ہوگا کہ اس نے اپنے لیے جو
راستہ چُن لیا ہے اس کے بیچ بیچ میں آرام
گھر نہیں ہیں ۔ اس راستہ میں جو کامیابیاں
حاصل ہوتی ہیں وہ اپنے ساتھ سخت ذمّہ داریاں
بھی لاتی ہیں ۔ لارنس نے عربوں سے کہا تھا:

انقلاب کے راستہ میں آرام گھر
نہیں ہوتے ۔
اور انقلابیوں کو تحائف نہیں ملتے ۔

ممکن ہے اس شخص کے نصیب میں خوشی
نہ ہو مگر ہو سکتا ہے کہ خوشی سے بڑی کوئی
چیز اسے ملنے والی ہو ۔ کوئی ایسی چیز جو اسکی
زندگی کا مقصد رہا ہو ۔

جواہر لال فسطائی نہیں ہو سکتا ۔ پھر بھی

اس میں وہ ساری چیزیں موجود ہیں جو ایک ڈکٹیٹر کے لیے ضروری ہیں ۔ بہت زیادہ مقبولیت ، کسی واضح مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مضبوط قوّت ارادی ، قوّت ، غرور ، انتظامی صلاحیت ، لیاقت ، سختی ، عوام میں بے حد مقبولیت کے باوجود دوسروں کو برداشت نہ کرسکنا اور کمزوروں اور نالائقوں سے نفرت ۔

اس کو جس طرح ایک دم غصّہ آتا ہے اس کو سبھی جانتے ہیں ۔ اور جب وہ غصّے پر قابو پالیتا ہے تب بھی اس کا ٹیڑھا ہونٹ اس کے غصّہ کی چغلی کھاتا رہتا ہے اس میں یہ خواہش بہت شدّت کے ساتھ موجود ہے کہ جس کام کو وہ کرا لینا چاہے اسکو فوراً کرا سکے ، جس چیز کو ناپسند کرے اسے فوراً ختم کر کے اس کی جگہ دوسری چیز تیار کرلے ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو جمہوریت کے لیے خطرہ ہوسکتی ہیں ۔ وہ حالات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتا ہے ۔ عام حالات میں وہ بہت لائق منتظم ہوسکتا ہے ، لیکن اس انقلابی دور میں ہر وقت اس کے شہنشاہ

بن بیٹھنے کا ڈر ہے ۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ
جواہر لال خود کو قیصرِ ہند ، بادشاہِ ہندستان
سمجھنے لگے ؟

اس میں جواہر لال کے لیے بھی خطرہ ہے
اور ہندوستان کے لیے بھی ۔ ہندوستان
بادشاہی کے ذریعہ آزادی حاصل نہیں کر سکتا
کسی دریا دل اور باصلاحیت حکمراں کی حکومت
میں اس ملک کی ترقی اور خوش حالی ضرور
ممکن ہے ۔ لیکن اس طرح آزادی کا دن
ہم سے دُور ہو جائے گا ۔

جواہر لال برابر دو سال سے کانگریس
کا صدر ہے اور اس نے خود کو ناگزیر بنالیا
ہے یعنی لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ اس کے بغیر
کوئی کام چل نہیں سکتا ۔ اس لیے بہت
سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ تیسرے سال پھر اسی
کو صدر ہونا چاہیئے ۔ لیکن یہ جواہر لال کے
لیے بھی بُرا ہوگا اور ہندوستان کے لیے بھی
ہم تیسرے سال پھر اس کو چن کر اس کا
رُتبہ تو ضرور بڑھا دیں گے لیکن کانگریس
کو نقصان پہنچا دیں گے اور لوگ اس کو
بادشاہ کا رُتبہ دینے لگیں گے ۔ ایسا کرکے

ہم جواہر لال کی بڑی چیزوں کو بڑھا دا دینگے
اور اسے مغرور بنا دیں گے ۔ وہ یہ سمجھنے
لگے گا کہ وہ اکیلا آدمی ہے جو ہندوستان
کا بوجھ اٹھا سکتا ہے اور ہندوستانیوں کے
مسئلوں کو حل کرسکتا ہے ۔ دیکھنے میں ایسا
لگتا ہے کہ اسے عہدوں سے کوئی دلچسپی نہیں
لیکن پچھلے سترہ برس سے وہ کسی نہ کسی طرح
کانگریس کے اونچے عہدوں پر قبضہ جمائے
ہوئے ہے ۔ اب وہ ضرور یہ سمجھتا ہوگا کہ اسکے
بغیر کام نہیں چل سکتا ۔ اور ایسا سوچنے کی
کسی کو بھی اجازت نہیں دینی چاہیئے ۔ مختصر یہ کہ
ہندوستان اسے تیسری بار کانگریس کا صدر
نہیں چن سکتا ۔

اس کی کچھ ذاتی اور نجی باتیں بھی ہیں جنکی
وجہ سے اس کو اب صدر نہیں چننا چاہیئے ۔ وہ
ہمت کی باتیں ضرور کرتا ہے مگر اب وہ ایک
تھکا ہارا آدمی ہے ۔ اگر وہ صدر رہے گا تو
اس کی صحت گرتی چلی جائے گی ۔ وہ آرام
نہیں کرسکتا ۔ جو شیر کی پیٹھ پر سوار ہو جاتا
ہے پھر وہ اتر نہیں سکتا ۔ ہم اسے بھٹکنے
سے روک سکتے ہیں ۔ ہم اس کا بوجھ ہلکا کرکے

اس کی زبردست ذمہ داریاں کم کرکے اس کی دماغی صلاحیتوں کو کم ہونے اور اس کی صحت کو خراب ہونے سے بچا سکتے ہیں ۔ ہمیں آئندہ اس سے عمدہ کاموں کی امیدیں ہیں ۔ ہمیں ان امیدوں کو مٹنے نہیں دینا چاہیئے ۔ اکی زیادہ تعریف کرکے اور اس کی پوجا کرکے ہمیں اس کو بگاڑنا نہیں چاہیئے ۔ اسے پہلے ہی بہت غرور ہے ۔ اسے بڑھنے سے روکنا چاہیئے ۔ ہمیں کوئی قیصر نہیں چاہیئے ، ہمیں کوئی بادشاہ نہیں چاہیئے "۔

نہرو نے فرانس کے پروفیسر تبور مینڈ سے کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے اس مضمون کا ذکر کیا تھا ۔ نہرو کا یہ انٹرویو نیشنل ہیرالڈ لکھنؤ میں 27 اپریل 1956 کو چھپا تھا ۔ انھوں نے کہا تھا :

"مجھے اس کے لکھنے میں مزہ آیا ۔ مجھے یاد ہے ایک رات میں بیٹھا سوچتا رہا اور لکھتا رہا ۔ یوں کہ مجھے اس کے لکھنے میں لطف آرہا تھا ۔ میں نے اُسے اپنی تحریر میں ہی ایک دوست کو بھیج دیا ۔ میں نے اسے نہ ٹائپ کرایا نہ نقل کرایا ۔ میں نے اُسے خود ہی لکھ ڈالا تھا ۔ پھر اس دوست نے اس پر میرا نام دیے بغیر اسے ایک رسالے

کو بھیج دیا ۔ یہ اس میں چھپ گیا ۔ سال دو
سال تک کسی کو بھی نہ معلوم ہوا کہ یہ مضمون
کس نے لکھا تھا ۔ مجھے یہ جاننے کی بڑی
خواہش تھی کہ لوگوں نے اس مضمون کو
پڑھ کر کیا سوچا"۔
جب لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ مضمون کس نے
لکھا تھا تو انھوں نے اس میں خاصی دلچسپی لی اور
اس سے بہت لُطف لیا ۔ اس کے بعد سے اس
مضمون کا جتنا ذکر ہوتا رہا اور اس کے جتنے حصّے نقل
ہوتے رہے اتنے کسی اور مضمون کے نہیں ہوئے ۔

شاندار ریہرسل

رپورٹیں تیار کرنا برسوں سے نہرو کے لیے ایک بہت
دلچسپ مشغلہ تھا ۔ میرے لیے صرف نہرو ہی خبر تھے
اور ان کا آنند بھون خبروں کا مرکز ۔ مجھے بہت سے ایسے
واقعات یاد آرہے ہیں جن میں سے کچھ اخباروں میں
چھپے اور کچھ چھپے ہی نہیں ۔ ان کے بارے میں سوچ کر
ہی میرے دل میں ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے ۔
آزادی سے پہلے نہرو کے بارے میں خبریں تیار
کرنے میں کچھ عجیب کشش تھی ۔ وہ سرکار کے خلاف

آواز اٹھانے والا ایک شخص تھا، لوگوں میں جوش اور جذبہ پیدا کرنے والا ایک انسان تھا، جنگ آزادی کا ایک سپاہی تھا اور ایک ایسا لیڈر تھا جسے سارے عوام دل سے چاہتے تھے۔

ایک بار انھوں نے دیہات میں تقریریں کیں۔ میں نے ان کی رپورٹ تیار کی۔ وہاں سے ہم واپس آنند بھون لوٹ رہے تھے۔ ہمارے ساتھ پنڈت جی کے علاوہ رنجیت پنڈت جی بھی تھے۔ راستہ میں کار خراب ہوگئی اور ہم منزل سے دُور رہ گئے۔ آخر ایک اچھا تانگہ مل گیا۔ کار ڈرائیور کے سپرد کردی گئی اور ہم لوگ آنند بھون کو چلے۔ راستے میں چیتھم لائینز میں کچھ سپاہیوں نے نہرو کو دیکھ لیا۔ انھوں نے فوراً اٹینشن ہو کے سلامی دی۔ نہرو نے اس کا جواب نہیں دیا۔ انھوں نے رنجیت پنڈت سے کہا کہ سپاہیوں سے یہ غلطی ہوگئی۔ اگر کوئی افسر انھیں سلامی دیتے دیکھ لیتا تو انھیں سزا ملتی۔ انھوں نے جواب میں کہا:

"دل کے معاملے نرالے ہیں۔ وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے خطرہ مول لے لیا۔"

نہرو نے کہا: "وہ لوگ سوچ رہے ہوں گے

کہ ہم نے ان کا سلام بھی نہ لیا"۔

انھوں نے سوچا کہ ان سپاہیوں سے ملنا ضروری ہے۔ اس لیے ہم لوگ پھر واپس لوٹے۔ سپاہیوں نے نہرو کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور پھر سلامی دی۔ نہرو نے ان کی خیریت پوچھی اور ان لوگوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ دو ایک منٹ بعد ہم پھر تانگے میں سوار ہوئے اور سفر شروع ہوگیا۔ آزادی کے بعد جب کبھی میں نے پریڈ وغیرہ میں نہرو کو سلامی لیتے دیکھا مجھے یہ واقعہ یاد آگیا گویا جو کچھ بعد میں ہونے والا تھا یہ اس کا ریہرسل تھا۔

خبریں ہی خبریں

اخبار نویسوں کے لیے نہرو خبروں کا بہترین ذریعہ تھے بلکہ یوں کہیے کہ وہ خبروں کا سرچشمہ تھے۔ آزادی سے پہلے وہ زیادہ تر ٹرین سے سفر کرتے تھے۔ الہ آباد ریلوے اسٹیشن پر انھیں خدا حافظ کہنا یا استقبال کرنا بہت خوشی اور دلچسپی کی بات ہوتی تھی۔ گیٹ پر ٹکٹ دینے کے بعد وہ باہر اسٹیشن کے برآمدے میں کھڑے ہوکر منتظر نامہ نگاروں کو بیان لکھاتے۔ ہم ان کی اس محنت اور مستعدی سے خوش ہوتے اور ان کا شکریہ

ادا کرتے کہ انھوں نے ہمیں آنند بھون دوڑنے سے بچالیا
کسی دن ایک اخبار کے نامہ نگار نے کہا:
"پنڈت جی، کیا آج صرف یہی خبر ہے ؟" انھوں
نے ذرا دیر سوچا، پھر جواب دیا:
"آنند بھون آؤ۔ تمھیں اور خبریں مل جائیں گی لیکن
اب مجھے گھر جانا چاہیے۔ مجھے پہلے ہی دیر ہوچکی
ہے۔"

اخبارنویسوں کا ہیرو

برسوں تک میرے وقت کا زیادہ حصہ آنند بھون کے
ڈرائنگ روم میں یا پھر اس کے برآمدوں اور سبزہ زاروں پر
ٹہلتے گزرا۔ میں خبروں کے لیے کہیں اور جانا ضروری سمجھتا
ہی نہ تھا۔ آنند بھون کے رہنے والے، وہاں کے مہمان
اور ملاقاتی، وہاں کے خطوط۔ یہ سب روز اچھی خاصی
خبریں مہیا کر دیتے تھے۔ اس مکان کی سیاسی سرگرمیاں
اور اس میں رہنے والا انسان دوست لیڈر اخبار میں
چھاپنے کے لیے اچھی کہانیاں فراہم کر دیتا تھا۔
ایک شام میں آنند بھون کے پاس سے گزرا تو میں نے
دیکھ کر نہرو کے کمرے کی بتی جل رہی ہے۔ مجھے حیرت
ہوئی۔ "مگر وہ تو یہاں نہیں ہو سکتے وہ تو بنارس میں ہیں۔

ابھی کچھ گھنٹے پہلے ہی تو گئے ہیں" میں نے دل میں سوچا اور آگے بڑھ گیا۔ مگر میں موقع کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ "اگر وہ آج یہاں ہوتے تو مزہ آجائے گا۔ یہ خبر اکیلے ہمارے ہی ہاتھ آئے گی" میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔ اس نے مجھے احمق بتایا اور آگے چلنے کو کہا۔ میں ذرا دور اس کے ساتھ گیا اور پھر واپس لوٹ لیا۔ میری اس حرکت پر میرا ساتھی بہت جھنجھلایا۔ میں آنند بھون کے اندر چلا گیا۔ لیکن دل میں یہی سمجھ رہا تھا کہ میں احمق ہوں کہ آگے جاتے جاتے لوٹ آیا۔

"بنسی، پنڈت جی کے کمرے کی بتّی کیوں جل رہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے مسکرا کے جواب دیا "چھوٹے صاحب لوٹ آئے" میں دوڑ کے نہرو کے کمرے کے سامنے پہنچا اور انھیں حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تم حیران ہو رہے ہو" پنڈت جی نے کہا

"ہاں، پنڈت جی۔ مگر یہ ہوا کیا؟ میں نے پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ طیّارے میں کچھ خرابی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے انھیں اپنا سفر بیچ ہی میں چھوڑ دینا پڑا۔ انھوں نے ایک چھوٹا سا بیان لکھوایا اور مسکراتے ہوئے کہا:

"ہوستامان اور اپادھیائے کو چھوڑ کر میں
گھر لوٹ آیا"

جواہر لال تو ہیرا ہیں

جہاں تک مجھے یاد ہے یہ ستمبر 1963 کی بات ہے کہ نہرو لکھنؤ آئے اور گورنمنٹ ہاؤس میں ٹھہرے۔ ان کے پرانے اور قابل احترام ساتھی سیٹھ دامودر سروپ ان سے ملنے گئے۔ وہ اونچا سنتے تھے۔ پھر بھی نہرو جب بھی الہ آباد آتے تو وہ ضرور ان سے ملنے آتے۔ وہ گورنمنٹ ہاؤس گئے۔ نہرو ان سے بہت تپاک سے اور محبت سے ملے۔ نہرو نے چیخ کر کوئی بات ان کے کان میں کہی مگر وہ کچھ بھی نہ سمجھے۔ پھر بھی وہ بہت خوش تھے کہ نہرو نے ان سے بات کی۔ ذرا دیر بعد پاس کھڑے ہوئے کسی آدمی سے نہرو نے کہا "سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں سمجھ پاتے۔ مگر اس میں ان کا کیا قصور"

آخر وہ سیٹھ کے پاس بیٹھ گئے اور خاموشی سے انکی باتیں سنتے رہے۔ انھوں نے خود سیٹھ صاحب سے کچھ کہنے کی کوشش بھی نہیں کی، صرف سر ہلاتے اور بیچ بیچ میں مسکراتے رہے۔ سیٹھ صاحب بے حد خوش خوش گھر لوٹے۔ دونوں کی ملاقات کے بعد میں نے پوچھا:

"سیٹھ جی آپ کی پنڈت جی سے گفتگو تو بہت دلچسپ رہی ہوگی؟"

انھوں نے جواب میں کہا : جواہر لال تو ہیرا ہیں ہیرا۔ وہ اپنے پرانے ساتھیوں کو کبھی نہیں بھولتے۔ وہ اتنے مصروف ہیں پھر بھی انھوں نے مجھے ملاقات کے لیے وقت دیا۔ کتنا پیارا آدمی ہے یہ !"

نہرو کو جے پرکاش سے سیاسی اختلافات تھے پھر بھی وہ انھیں بہت چاہتے تھے۔ جے۔ پی۔ نے جب کانگریس چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو نہرو نے انھیں بلا کے سمجھایا کہ وہ ایسا نہ کریں۔ یہ بات ایسے لوگوں سے معلوم ہوئی ہے جن پر بھروسا کیا جا سکتا ہے نہرو بہت دیر تک انھیں بڑی محبت کے ساتھ ایک بڑے بھائی کی طرح سمجھاتے رہے کہ وہ کانگریس نہ چھوڑیں مگر جے۔ پی برابر یہی کہتے رہے " نہیں بھائی، نہیں بھائی میں اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتا۔"

آخر انھوں نے کانگریس چھوڑ دی اور نہرو کو یہ بات بُری لگی۔ پھر بھی دونوں دوست رہے اور کبھی کبھی ایک دوسرے کو خط لکھتے رہے۔ جے۔ پی جب نہرو کو خط لکھتے تھے تو اسے ہمیشہ " میرے پیارے بھائی" سے شروع کرتے تھے۔ ایک بار کسی جھنجھلاہٹ میں یا نہ جانے کیوں انھوں نے خط میں " مائی ڈیر پرائم منسٹر" لکھ دیا۔ نہرو کو اس سے تکلیف ہوئی۔ انھوں نے جے۔ پی۔ کو لکھا کہ "میں لاکھوں لوگوں کے لیے وزیر اعظم ہو سکتا ہوں لیکن تمہارا تو بھائی ہوں۔ اس کا جے۔ پی پر بہت اثر ہوا۔ نہرو

کی موت کے بعد انھوں نے کہا " میں اپنی اس غلطی کو کبھی نہیں بھول سکتا"۔

صدمے برداشت کرنے والا

نہرو بہت حساس آدمی تھے۔ لیکن کچھ معاملوں میں زندگی کے تجربوں نے انھیں صدمے برداشت کرنے کی عادت ڈال دی تھی۔ بڑی سے بڑی تکلیف کو وہ ہمت کے ساتھ جھیل لیتے تھے۔ عزیز ساتھیوں اور رشتے داروں کی موت انھیں سر سے پاؤں تک جھنجھوڑ ڈالتی تھی لیکن جلد ہی وہ صدمے پر قابو پا لیتے تھے اور جو پڑتی تھی اسے چپ چاپ سہ جاتے تھے۔

ایک دن رفیع احمد نہرو کے پاس گئے اور انھیں بتایا کہ نیشنل ہیرلڈ بہت خراب حالت میں ہے۔ شاید اسے بند کرنا پڑے۔ قدوائی کا خیال تھا کہ نہرو اس خبر سے بہت پریشان ہو جائیں گے اور ایک بار پھر اس اخبار کو بچانے کے لیے فوراً کوئی خاص تدبیر کریں گے۔ وہ جانتے تھے کہ نہرو کو ہیرلڈ بہت زیادہ عزیز ہے کیونکہ اس اخبار نے جرنلزم کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھا ہے۔ لیکن قدوائی حیران رہ گئے جب نہرو نے کہا:

"رفیع، میں صدمے سہنے کا عادی ہو گیا ہوں۔ میں نے

بہت سے صدمے برداشت کئے ہیں۔ میں یہ تکلیف بھی سہہ لوں گا۔" اس پر رائے دیتے ہوئے قدوائی نے کہا تھا "میری ترکیب کام نہ آئی۔ وہ شاید جانتے تھے کہ رفیع ہیرلڈ کو بند نہیں ہونے دے گا۔"

ایک یادگار ہولی

ایک بار آنند بھون میں بڑی شان سے ہولی منائی گئی۔ جے۔ بی۔ کرپلانی، سچیتا کرپلانی، لال بہادر شاستری، کے۔ ڈی۔ مالویہ، پدمجا نائیڈو، مسز پنڈت ان کی بیٹیاں اور بڑے بڑے کانگریسی اس میں شریک تھے۔ میں بھی ایک پڑوسی اخبار نویس کی حیثیت سے اس میں شریک تھا۔ اس زمانے میں میری اخبار نویسی آنند بھون سے شروع ہو کر سوراج بھون پر ختم ہو جاتی تھی۔ یہ دونوں جگہیں خبروں کا بڑا مرکز تھیں۔ اخبار نویس کی حیثیت سے میرا ایک خاص مقام تھا۔ کیونکہ میرا تعلق نہرو کے ہیرلڈ سے تھا۔ اس اخبار کے ایک پرانے ایڈیٹر کے۔ راما راؤ نے اپنی آپ بیتی میں اپنے خاص انداز میں مجھے "آنند بھون میں ہیرلڈ کا سفیر" کہا ہے۔

اس دن آنند بھون میں رنگوں کی جو جنگ ہو رہی تھی مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو کسی نئی کہانی

کی تلاش میں تھا جو نہرو سے متعلق ہو ۔ میں چپکے سے ایک کمرے میں جا بیٹھا اور اخبار کے لیے کچھ لکھنے لگا۔ وہاں جو بھیڑ جمع تھی پنڈت جی نے مجھے اس میں نہ پایا تو پوچھا " وہ دیوانہ کہاں گیا ۔ ابھی تو یہیں تھا۔ کہیں چھپ گیا ؟" کسی نے بتا دیا کہ میں ایک کمرے میں بیٹھا کچھ لکھ رہا ہوں ۔ فوراً ہی کچھ لوگ وہاں پہنچے اور مجھے باھر گھسیٹ لائے ۔ میں ہاتھ میں کاغذ دبائے کہیں پناہ لینے کے لیے دوڑا تو نہرو نے چلاکر کہا "رُک جاؤ، ٹنڈن ۔ مت بھاگو"۔ میں رُک گیا۔ ایسے جیسے دم نکل گیا ہو ۔ ڈر تھا جانے میری کیا درگت بنے ۔ مجھے چھپنے کی سزا یوں دی گئی کہ سب نے مل کے میرے چہرے پر طرح طرح کے رنگ پوت دیئے ۔ میرا سارا بدن رنگین پانی میں تر ہوگیا ۔ اس وقت میں ضرور مسخرا سا دکھائی دے رہا ہوں گا ۔ ہر ایک مجھے دیکھ کے بُری طرح ہنس رہا تھا پنڈت جی کو شاید اب بھی اطمینان نہ ہوا۔ انھوں نے مجھے ایک چھوٹے سے حوض میں دھکیل دیا ۔ اس میں لوہے کا ایک پائپ تھا جو پانی میں چھُپ گیا تھا ۔ وہ میری داہنی ٹانگ میں لگا اور میں زخمی ہوگیا ۔ میں باھر نکلا تو ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا ۔ پنڈت جی نے یہ دیکھ لیا ۔ زخم معمولی سا تھا۔ انھوں نے فوراً کوئی دوا لاکر اس پر لگا دی ۔ چوٹ تو ذرا سی تھی مگر مجھ پر اس کا اثر بہت

تھا۔ نہرو نے میری پیٹھ پر ہاتھ مار کے کہا "ارے ہنسو بولو۔ یہ تم بسور کیوں رہے ہو؟"

میں نے انھیں بڑی درد بھری آواز میں بتایا کہ میں نے ہیرلڈ کے لیے خبر تیار کی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ اس یادگار ہولی کی خبر پہلے پہل ہیرالڈ میں چھپے۔ میرے سارے کاغذ رنگ اور پانی میں ڈوب گئے اب کچھ بھی نہیں پڑھا جاتا۔

"ہولی رونے کا دن نہیں۔ اس موقع پر ساری تکلیفوں کو بھول جاتے ہیں" انھوں نے صلاح دی۔ یہ سچ ہے کہ ہولی کے دن لوگ اپنے غموں کو بھول جاتے ہیں اس دن لوگ روتے نہیں لیکن ہم ہولی کے دن اس غم کو کیسے بھلا دیں کہ اب نہرو اس دنیا میں موجود نہیں اور ان کے بغیر یہ تہوار سُونا سُونا ہے۔ اس موقع پر وہ سینکڑوں لوگوں سے کیسی محبت کے ساتھ ملا کرتے تھے اور ان کے ساتھ ہولی منایا کرتے تھے۔

نہرو کی تیز نظریں

نہرو بڑے ہنس مکھ آدمی تھے اور بہت ستھرا مذاق کرتے تھے۔ وہ اکثر پرانے ساتھیوں سے مذاق کیا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ کا وہ خوب مذاق اُڑایا

کرتے تھے ۔ کھانے کی میز پر وہ سب کی توجہ کا مرکز بن جایا کرتے تھے ۔ وہ اکثر اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو کھانے یا ناشتے پر بلایا کرتے تھے اور ان سے اہم معاملوں پر گفتگو کیا کرتے تھے ۔ ایک دن ایک اخبار کا ایڈیٹر جس کو نہرو بہت اچھی طرح جانتے تھے ناشتے پر مدعو تھا ۔ ناشتے کی میز پر ایک اور بہت بڑا جرنلسٹ بھی موجود تھا ۔

ناشتے کی میز پر بے تکلفی سے بات چیت ہوتی رہی وہ لوگ نہرو کی اس ملاقات سے بہت خوش تھے ۔ ایڈیٹر نے ایک کیلا چھیل کے کھایا ۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ چھلکا کہاں ڈالیں ۔ میز اس خوبصورتی سے سجی ہوئی تھی کہ چھلکا میز پر رکھنا انھیں اچھا نہ لگا ۔ انھوں نے جلدی سے مگر چپکے سے وہ چھلکا میز پوش کے نیچے چھپا دیا ۔ کسی کو پتہ نہ چلا ۔ نہرو کی تیز نظروں نے ان کی یہ حرکت دیکھ لی ۔ انھوں نے مذاق میں حیرت کے ساتھ پوچھا:

"ایڈیٹر صاحب ، مجھے یقین ہے کہ آپ نے کیلا تو کھالیا مگر چھلکا کہاں رکھا ؟"

ایڈیٹر صاحب کچھ شرمندہ کچھ پریشان ہوئے ۔ ان کی اس حالت سے سب لوگوں نے مزہ لیا ۔ نہرو نے آہستہ سے میز پوش کے نیچے سے چھلکا نکال کے ایک خالی پلیٹ میں رکھ دیا اور خوب زور سے ہنسے ۔

معمولی لوگوں کا خیال

نہرو ایک بار مجھے اپنے ساتھ انڈونیشیا لے جانا چاہتے تھے۔ مجھے الہ آباد ریڈیو اسٹیشن بلایا گیا۔ وہاں مجھ سے ایک افسر نے دہلی سے بات کی اور مجھ سے وہیں فون پر انڈونیشیا جانے کی رضامندی لینی چاہی۔ مجھے اس سلسلہ میں دو تین بار ریڈیو اسٹیشن بلایا گیا۔ مجھے ٹیلیفون پر جواب دینے میں ذرا ہچکچاہٹ تھی۔ میں نے اس افسر سے کہا کہ مجھے لکھ کر بھیج دو تاکہ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت مل جائے۔

مجھے بتایا گیا کہ میں جاؤں گا تو نہرو کے ساتھ لیکن.. لوٹوں گا تنہا ایک کشتی میں۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کے انتظامات ہو چکے ہیں۔

نہرو کے ساتھ بدیس جانے کا خیال بہت دل خوش کرنے والا تھا لیکن اکیلے لوٹنے کے خیال سے ہی تکلیف ہوتی تھی۔ وزارت اطلاعات ونشریات کے سیکریٹری نے مجھے ایک خط میں لکھا: "وزیراعظم انڈونیشیا تشریف لے جا رہے ہیں۔ پروگرام یہ ہے کہ وہ جمعہ 2 جون 1950 کو شام کے وقت کوچین سے سمندری راستے سے روانہ ہوں گے۔ کوچین سے شروع ہونے والے اس سفر میں

کچھ اخبار نویس بھی ان کے ساتھ ہوں گے ۔ اس پارٹی میں آپ کا نام بھی شامل ہے ۔ ہم جکارتہ کے سفارتخانہ کو آپ کے آنے کی اطلاع دے رہے ہیں ۔ ہم ان سے درخواست کر رہے ہیں کہ وزیر اعظم کے انڈونیشیا میں قیام کے دوران آپ کے ٹھہرنے کے لیے اچھا بندوبست کر دیں "۔

مگر میں نے وہاں نہ جانے کا فیصلہ کر لیا ۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ دہلی کے کچھ بڑے بڑے اخبار نویس وزیر اعظم کے ساتھ سفر کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ۔ اگر میں انکار کر دوں گا تو ان لوگوں کو خوشی ہوگی اور ان میں سے کم سے کم ایک کو میری جگہ لینے کا موقع مل جائے گا ۔ غرض میں نے یہ طے کیا کہ اگر میں یہ دعوت منظور نہ کروں تو اچھا ہے ۔

کچھ دن بعد نہرو الہ آباد آئے ۔ وہ آنند بھون کے برآمدے میں لال بہادر شاستری کے ساتھ ٹہل رہے تھے ۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو ترشی کے ساتھ کہا " ہم نے آپ کو انڈونیشیا جانے کی دعوت دی ۔ آپ تشریف نہیں لائے "۔

اب مجھے یقین ہو گیا کہ اس فہرست میں میرا نام وزیر اعظم نے لکھایا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ٹیلی فون پر مجھ سے ہاں کرانے کی اتنی کوشش کی جا رہی تھی ۔ ذرا دیر

میں کھڑا ہوا جواب سوچتا رہا۔ پھر میں نے ذرا ہچکچاتے ہوئے جواب دیا:

"پنڈت جی مجھے جانا تو آپ کے ساتھ تھا لیکن لوٹنا اکیلے تھا اور میں نے سُنا تھا کہ ان دنوں سمندر بہت بپھرا ہوا ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ واپسی میں کئی دن لگ جائیں گے۔ میں نے سوچا میں کشتی میں پڑے پڑے تنگ آجاؤں گا۔"

میں اپنی بات پوری نہ کر سکا تھا کہ انھوں نے کہا:

"تم بھی عجیب آدمی ہو۔ میں نے راستے میں تمہیں بحری مشقیں دکھانے کا انتظام کیا تھا ویسے بھی تمہارا بہت خیال رکھا جاتا۔ انڈونیشیا سے واپسی میں مجھے ایک خاص آدمی کو اپنے ساتھ طیارے میں لانا تھا۔ تمہیں اس دورے میں شریک ہونا چاہیئے تھا۔"

میں نے ادب اور شرمندگی کے ساتھ ان سے عرض کیا کہ میں آئندہ کسی موقع کا منتظر رہوں گا۔ آئندہ انہیں پھر کبھی اس طرح کی دعوت دینے کا خیال نہ آیا اور میں بھی ایسا نہ کر سکا کہ اس طرح کی کوئی تجویز ان کے سامنے رکھوں۔ میرے کہے بغیر انھوں نے اپنے ساتھ جانے والوں میں میرا نام رکھا۔ پھر واپسی کا مناسب بندوبست کرایا۔ یہ اور بات ہے کہ میں اس سے فائدہ نہ

اٹھا سکا ۔ پھر بھی اس سے یہ اندازہ تو ہو ہی جاتا ہے کہ وہ معمولی معمولی لوگوں کا بھی کتنا خیال رکھتے تھے ۔

ایک ذمّہ دار باپ

نہرو نے اپنی بیٹی کو بہترین تربیت دی ۔ شاید انھیں اس کا یقین تھا کہ ایک دن اندرا کا بہت اونچا درجہ ہوگا اور اسے ملک کی ذمّہ داری سنبھالنی ہوگی ۔ انھوں نے اپنی بیٹی کو لمبے لمبے خط لکھے ۔ ان خطوں سے اندرا کی معلومات میں اضافہ ہوا اور اس کے ذہن میں وسعت پیدا ہوئی۔ جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے وہ نہرو نے ان خطوں کے ذریعہ اپنی بیٹی تک پہنچا دیں ۔ 1935 میں انھوں نے ایچ۔ جی۔ ویلز، جولین ہکسلے اور جی۔ پی۔ ویلز کی کتاب "زندگی کی سائنس" اندرا کو تحفے میں دی اور اس میں لکھا ۔

"پیاری اندو کے لیے
محبت اور نئے سال کے لیے نیک خواہشوں
کے ساتھ
اور اس امید پر کہ
اس کتاب سے وہ دنیا کا سب بڑا فن
— جینے کا فن — سیکھ سکے گی ۔
پاپو "

1935 کا نیا دن
الموڑہ ڈسٹرکٹ جیل

اس کتاب کے وزن اور اس کی موٹائی
سے نہ گھبرانا۔ اور جب اسے پہلی
بار پڑھو تو شروع سے آخر تک نہ
پڑھنا ورنہ تم اس سے بہت اکتا جاؤ گی
اسے اِدھر اُدھر سے دیکھو جو حصے
اچھے لگیں انھیں پڑھ ڈالو۔ اس
میں بہت کچھ ہے۔ اور دلچسپ
ہے اور اس سے تمھیں یہ سمجھنے
میں مدد ملے گی کہ زندگی کا کارواں
کس طرح برابر آگے بڑھتا رہا۔
بعد میں شاید تم پوری کتاب
پڑھ سکو اور یہ ہے بھی پڑھنے
کے لائق۔"
پاپو

ایک شریف انسان

رفیع احمد قدوائی ہندوستانی کابینہ میں وزیر تھے۔
اسی زمانے میں کسی معاملے پر نہرو سے ان کا سخت اختلاف
ہوگیا۔ وہ گوبند بلبھ پنت سے ملے اور ان سے گفتگو کی

انھوں نے قدوائی کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ جب اس پر بحث ہوگی تو وہ قدوائی کا ساتھ دیں گے۔ اس سے قدوائی کی ہمت بہت بڑھی۔ جب بحث کا وقت آیا تو اس معاملے پر انھوں نے نہرو کی سخت مخالفت کی۔ وہ انتظار کرتے رہے کہ پنت جی نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اب وہ ساتھ دیں گے۔ مگر اس سے قدوائی کو بہت مایوسی ہوئی کہ پنت جی نے نہرو کی بالکل مخالفت نہیں کی۔ بلکہ ایسا لگا کہ وہ نہرو کا ساتھ دے رہے ہیں قدوائی نے ایک بار مجھ سے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا "پنت جی کی اس بات سے مجھے بڑا دھکا لگا"۔

میٹنگ کے بعد قدوائی پنت جی کے پاس گئے اور ان سے شکایت کی کہ "آپ نے تو میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ آپ تو بالکل بولے ہی نہیں ؟"

پنت مسکرا کے بولے" نہرو کی مخالفت کرنے کی مجھے ہمت ہی نہ ہوئی۔ آپ جانتے ہی ہیں وہ کتنے اچھے آدمی ہیں۔ خیر آپ فکر نہ کریں جب وقت آئے گا تو میں سب ٹھیک کرادوں گا"۔

نہرو کے تمام ساتھی ان کا بہت ادب کرتے تھے۔ نہرو بہت شریف انسان تھے۔ ناشائستہ اور بھدی

باتیں انھیں پسند نہیں تھیں ۔ وہ ہر معاملہ میں صحیح بات کو پسند کرتے تھے ۔ میری کتاب " نہرو۔ایک انسان" شائع ہوئی تو ایک صاحب اس کی کچھ جلدیں پنڈت جی کو پیش کرنے گئے ۔ نہرو نے اس کے لیے ان کا شکریہ ادا کیا ۔ ان صاحب نے نہرو سے درخواست کی کہ ایک جلد پر وہ ان کے لیے دستخط کردیں ۔ نہرو نے اسے منظور نہ کیا اور کہا " یہ ٹھیک نہیں ہوگا کہ میں اس کتاب پر دستخط کروں ۔ یہ میں نے کب لکھی ہے اس پر دستخط کرنے کا حق تو پی۔ڈی۔کو ہے یہ کام آپ اس سے کرائیے"۔

ان صاحب نے بعد میں محسوس کیا کہ نہرو سے ان کی درخواست غلط تھی ۔ وہ یہ بھول گئے تھے کہ نہرو اور لیڈروں کی طرح نہیں ہیں۔ جب یہ قصہ مجھے یہ بتایا گیا تو نہرو کی شرافت کا نقش میرے دل پر اور بھی نقش ہوگیا ۔ وہ ان باتوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور کبھی غلط بات نہ کرتے تھے ۔

موت کا صدمہ

جواہر لال نہرو نے عظیم الشان دریا کو اس کی مختلف حالتوں میں دیکھا تھا ۔ جب بھی وہ اس مقدس

دریا کے نزدیک ہوتے وہ اسے بہت احترام اور حیرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اسے دیکھنے سے انھیں بڑی قوت حاصل ہوتی تھی۔ اس دریا کی انھوں نے اپنی خوبصورت زبان میں بہت تعریف کی ہے۔ میں نے بہت بار دیکھا ہے کہ وہ اس دریا کے کنارے کھڑے ہیں اور اسے حیرت اور احترام کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

ایک شام جب وہ گنگا کے پُل پر سے گزر رہے تھے تو وہ اپنی کار کی سیٹ پر کھڑے ہو گئے اور اس دریا کا دور تک کا منظر دیکھتے رہے۔ اس وقت آہستہ آہستہ وہ کچھ کہہ بھی رہے تھے۔ شاید اپنے آپ سے ہی کچھ رہے ہوں گے۔

لیکن ایک دن ایسا بھی آیا کہ وہ اسی دریا کو دیر تک بڑے بے بسی اور رنج کے ساتھ دیکھتے رہے۔ انکی آنکھیں خشک تھیں مگر ہونٹ دل کا حال کھولے دے رہے تھے۔ فیروز گاندھی کی راکھ ابھی ابھی دریا کے سنگم پر بہائی گئی تھی۔ دریا کی موجوں نے راکھ کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ اور نہرو غم کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ اس سے پہلے ان کے بہت سے دوستوں اور ساتھیوں کی راکھیں یہیں بہائی گئی تھیں اور دریا کی موجوں نے انھیں اپنی گود میں جگہ دی

تھی ۔ یہ سماں نہرو نے نہ جانے کتنی بار دیکھا تھا۔ لیکن آج
وہ بہت زیادہ دُکھی تھے ۔ انھوں نے کشتی میں سے
جھک کر دریا کو بہت غور سے دیکھا اور دیر تک دیکھتے
رہے ۔ ان کے پاس جتنے لوگ کھڑے تھے سب بے حد
غمگین تھے ۔ کچھ تو برابر اپنے آنسو پونچھ رہے تھے ۔
ذرا دیر کو نہرو نے سر جھکایا اور اپنی پیشانی بائیں
ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹکالی ۔ ہم نے محسوس کیا کہ وہ بھی رو
رہے ہیں ۔ لیکن جب انھوں نے سر اٹھایا تو آنکھیں
خشک تھیں ، چہرہ زرد اور بے جان سا تھا ۔ انھوں نے
اپنے عزیزوں کی طرف دیکھا ، عزیزوں نے انھیں دیکھا
سب نے ایک دوسرے سے ہمّت اور دلاسا پایا ۔
نہرو چپ چاپ کھڑے رہے لیکن صاف لگ رہا تھا کہ
ان کے دل میں ایک طوفان برپا ہے ۔ انھیں فیروز کی
یاد آرہی تھی اور اندرا کی تنہائی کا خیال ستا
رہا تھا ۔

ذرا دیر بعد انھوں نے کہا : "اچھا آؤ اب چلیں"
سب چُپ کھڑے رہے ۔ کوئی بھی نہ ہلا ۔ انھوں
نے اوروں کی طرف دیکھا ۔ نہرو کے چہرے سے سخت
ملال ظاہر ہو رہا تھا ۔ وہ آہستہ سے کشتی سے
اترے ۔ باقی لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے اتر آئے ۔
نہرو بہت حسّاس آدمی تھے ۔ انسانوں کے غم

اور انسانوں کی تکلیفیں ان کے دل کو بہت تڑپاتی تھیں. لیکن انھوں نے غموں کو برداشت کرنا سیکھ لیا تھا وہ اپنے دل پر جلد قابو پا لینے کی طاقت رکھتے تھے وہ جانتے تھے کہ کسی نقصان پر بہت زیادہ غم کرنے سے کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن اس روز دریا پر وہ بہت غمگین اور بہت بے چین تھے۔ اس دن جن لوگوں نے انھیں دیکھا وہ انکے اُداس، پریشان اور بے قرار چہرے کو بھلا نہیں سکتے۔

ایک شاندار قلم کار

نہرو ایک بڑے مصنّف تھے۔ وہ بہت اچھا لکھتے تھے۔ ان کی آپ بیتی ایک شاندار کتاب ہے وہ جو کچھ بھی لکھتے تھے اس پر ان کی شخصیت کی چھاپ ہوتی تھی۔ مسٹر چیلاپتی راؤ نہرو سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب 'گاندھی اور نہرو' میں لکھا ہے:۔

"وہ لمبے لمبے مضمون نہیں لکھتے تھے۔ اپنے دل کی بات سیدھے سادے ڈھنگ سے کہتے تھے۔ کچھ باتوں کو وہ ذرا احتیاط سے کہتے تھے، کبھی رُک رُک کر بات

بتاتے تھے اور کہیں کہیں اُن کی تحریر
میں ڈرامے کی شان پیدا ہو جاتی
تھی ۔ اُن کی نثر میں ایک خاص
طرح کا آہنگ موجود رہتا تھا ۔ اس
سے اُن کی تحریروں میں روانی اور
مٹھاس پیدا ہوگئی ہے ۔ اُن کا مسوّدہ
ہمیشہ صاف کاپی کی طرح ہوتا تھا ، اتنا
اچھا کہ کسی بھی عجائب گھر کی شان
بڑھانے کو کافی ہو ۔"

نہرو کی تحریر بہت شاندار ہوتی تھی ۔ انھوں
نے کانگریس کے بہت سے ریزولیوشن تیار کیے
'آزادی کا عہد' انہی میں سے ایک ہے ۔ اسے انھوں
نے آنند بھون میں اپنے مطالعہ کے کمرے میں لکھا
تھا ۔ جب انھوں نے اسے مکمل کر لیا تو اپنی بیٹی
سے کہا کہ وہ اسے اونچی آواز میں پڑھ کر سنائیں
تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ یہ پڑھنے میں کیسا لگتا ہے ۔
انھوں نے پڑھا ۔ نہرو نے کہا :۔

" اندو ، تم نے بہت اچھا پڑھا ۔ تم محسوس
کرتی ہوں گی کہ تم نے اسے پڑھا تو گویا تم
نے بھی عہد لے لیا ۔"

لاکھوں کا محبوب

چالیس برس تک نہرو اپنے ہم وطنوں کے دل میں دلچسپی، محبت اور جوش کے جذبات جگاتے رہے۔ بس یہ وہ ان کے بارے میں کہانیاں اور انکی باتیں بڑے شوق سے سُنتے اور پڑھتے ہیں۔ نہرو نے سیاست میں غیر معمولی کام کیا اور ملک کے لیے بڑی بہادری کے کام کیے۔ ان سے تو لوگ اچھی طرح واقف ہیں لیکن ان کے بارے میں بہت سی دلچسپ باتیں ایسی ہیں جن کا لوگوں کو پتہ نہیں۔

گاندھی جی نہرو سے بہت محبت کرتے تھے اور انھیں اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے۔ وہ نہرو پر بہت بھروسا کرتے تھے اور ان کی ایمانداری پر پورا یقین رکھتے تھے۔ ایک بار اوندھ کے راجہ گاندھی جی سے ملے اور انھیں بتایا کہ ہندوستانی ریاستوں کے راجہ اپنی ریاستوں کے لیے آئین تیار کرنا چاہتے ہیں انھوں نے کہا کہ اگر یہ لوگ عوام کی امنگوں کا خیال کرنا چاہتے ہیں تو انھیں نہرو سے ملنا چاہیے۔ گاندھی جی نے یہ بھی کہا کہ انھیں نہرو کو وزیر اعلیٰ بنا لینا چاہیے۔ پھر نہرو انھیں بتائیں گے کہ اب کیا

کرنا ہے۔

۱۹۴۸ میں باپو نے برت رکھا۔ نہرو ایسی چیزوں کو نہیں مانتے تھے۔ پھر بھی دل کی کوئی آواز سُنکر انھوں نے بھی برت رکھ لیا۔ جب باپو نے برت توڑا تو نہرو وہاں موجود تھے انھوں نے بتایا کہ ان کا بھی برت ہے۔ باپو پر اس کا بہت اثر ہوا۔ نہرو چلے گئے تو گاندھی جی نے انھیں خط لکھا اس میں کہا:-

"اب تم اپنا برت توڑ دو۔ بھگوان کرے تم برسوں جیو۔ اور ہندوستان کے جواہر بنے رہو۔ باپو کی دعائیں"۔

ان گنت لوگ نہرو سے محبّت کرتے تھے وہ تھے بھی بے حد خوبصورت۔ ایک دن عام جلسہ تھا۔ بہت سی لڑکیاں نہرو کی تقریر سُننے گئیں۔ جب وہ تقریر ختم کر چکے تو سروجنی نائیڈو نے مذاق سے کہا "جواہر لال یہ مت سمجھنا کہ یہ خوبصورت لڑکیاں تمہاری تقریر سُننے آئی تھیں۔ یہ تو تمہارا خوبصورت چہرہ دیکھنے آئی تھیں"۔

ایک شام کچھ نوجوان لڑکیاں جواہر لال سے ملنے گئیں۔ اس وقت وہ ٹوپی اوڑھے ہوئے

نہیں تھے ۔ سروجنی نائیڈو نے کہا: "جواہر جلدی سے اپنی ٹوپی اوڑھ لو ورنہ تمہاری گنجی چاند دیکھکر لڑکیوں کو مایوسی ہوگی"۔

سادہ خوراک

نہرو یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے کھانے کے سلسلہ میں بہت اہتمام کیا جائے یا کوئی خاص بندوبست کیا جائے ۔

18 جون 1956 کو جب وہ وزیر اعظم تھے تو انکے کھانے کے سلسلہ میں ایک سرکاری اعلان جاری ہوا تھا ۔ اس میں کہا گیا تھا :-

وزیر اعظم چاہتے ہیں کہ ان کے کھانے کے سلسلہ میں غیر ضروری اور زیادہ انتظامات نہ کیے جائیں ۔ وہ جس جگہ کا دورہ کریں گے اسی علاقے کا کھانا کھانا پسند کریں گے ۔ ایک بات یاد رکھنی بہر حال ضروری ہے، جہاں تک ممکن ہو وہ سادہ کھانا پسند کرتے ہیں چاہے وہ ہندوستانی کھانا ہو یا یورپی انداز کا ۔ مرچ مصالحہ کے وہ بالکل عادی

نہیں ہیں ۔ وہ گوشت کھاتے ہیں مگر
بہت کم۔ انہیں سبزیوں کا بہت
شوق ہے ۔ ایسا کھانا جس میں صرف
سبزیاں ہوں وہ بہت پسند کرتے
ہیں۔ صبح کو وہ گرم دودھ کی کافی
پیتے ہیں اور سہ پہر کو ہلکی چائے"

اپنے سکریٹری آپ

سیاست کی دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہوں گے
جو اپنے سکریٹریوں یا دوسرے لوگوں سے مدد نہ
لیتے ہوں یا دوسروں کے تیار کیے ہوئے بیانوں پر
دستخط نہ کرتے ہوں ۔ لیکن نہرو نے کوئی ایسا
بیان جاری نہیں کیا جو ان کا اپنا تیار کیا ہوا نہ ہو۔
انھوں نے وہ معمولی تقریریں بھی کسی سے نہیں
لکھوائیں جو انھوں نے رسمی طور پر کیں ۔ کوئی انھیں
ایسا کرنے کا مشورہ دینے کی بھی ہمّت نہیں رکھتا
تھا ۔ کیونکہ ان چیزوں کو وہ پسند نہیں کرتے
تھے ۔ گویا ان کاموں میں وہ اپنے سکریٹری
آپ تھے ۔

سچی ہمدردی

رابندر ناتھ کی پوتی نندتا کرپلانی اپنے شوہر کرشنا کرپلانی کے ساتھ کچھ دنوں سوراج بھون میں رہیں ۔ ایک دن بجلی کا تار لگاتے میں ان کا ہاتھ بُری طرح جل گیا ۔ ہاتھ میں بہت درد تھا۔ مگر انھوں نے بڑی ہمت سے کام لیا ۔ اس وقت نہرو آنند بھون میں کسی ضروری کام میں مصروف تھے ۔ انھیں جیسے ہی اس حادثہ کی خبر ملی وہ نندتا کو دیکھنے کے لیے فوراً سوراج بھون پہنچے انھوں نے یہ نہ کیا کہ اپنی سہولت کے مطابق اطمینان سے کسی وقت رسمی مزاج پُرسی کو چلے جاتے ۔ نندتا کے ہاتھ کی حالت کو دیکھ کر انھیں بہت تکلیف ہوئی ۔ انھوں نے بار بار کہا " مجھے بتاؤ میں اس وقت تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں ؟"۔ نہرو کی ہمدردی اور خُلوص سے نندتا کو بہت تسلّی ہوئی۔

نہرو ـ ایک پیغامبر

نہرو کا دماغ بہت کھُلا ہوا تھا ۔ ان کا دل بہت

بڑا تھا اور ان میں انسانیت بہت زیادہ تھی ۔ نہرو کی ان خوبیوں کا مجھ پر بہت اثر ہوا ۔ بس یوں سمجھیے کہ میں اُن کی اِن خوبیوں کی وجہ سے پوجا کرتا تھا ۔

بہت پرانی بات نہیں ہے کہ میں نے ایک رات انھیں خواب میں دیکھا ۔ میں نے دیکھا کہ وہ چھوٹے بچوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کر رہے ہیں ۔ اندر ان کے پاس کھڑی ہیں ۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ نہرو آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں ۔ وہ صرف اپنے زمانے کے آدمی نہ تھے ۔ وہ ایک پیغامبر تھے ۔ ان کا ایک پیغام تھا۔ ہر زمانے کے لیے ! وہ اُن لوگوں میں سے تھے جو زیادہ پانے کے حق دار ہوتے ہیں ۔ اس سے کہیں زیادہ جو زندگی میں انھیں ملا ہوتا ہے ۔ ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ :۔

اس کے خیالات سچے تھے اور بہت عظیم
اس کا احساس بہت شدید تھا، اس کی
باتوں میں وزن تھا
اس کے سارے کارناموں کو دیکھو،
غور سے دیکھو
پھر اس کی عظمت سے انکار کر سکتے ہو تو کرو !

ہندوستان کا معمار

آدمی اصل میں اس وقت مرتا ہے جب اس کا دیا ہوا پیغام مرجائے اور اس کے دکھائے ہوئے راستے کی اہمیت باقی نہ رہے ۔ آج نہرو زندہ نہیں مگر ان کا پیغام زندہ ہے ۔ ساری دنیا کے بہت سے لوگ آج بھی ان کے خیالات کی اہمیت کو مانتے ہیں ۔ نئے ہندوستان کو بنانے میں انھوں نے جو کام کیا اسے کبھی نہیں بھلایا جا سکے گا ۔

انھوں نے ہندوستان کے لوگوں کو بتایا کہ ٹکنالوجی میں دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے ۔ اب ہمیں بھی قدم آگے بڑھانا چاہیئے ۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو بڑے پیمانے پر سوچنا اور بڑے پلان بنانا سکھایا ۔ انھوں نے قوم کو سائنسی مزاج دیا ۔ انھوں نے ہندوستان کو دنیا کے نقشہ پر جگہ دلائی ۔ انھوں نے دنیا کو ایسے اصول دیئے جن کی جڑیں بہت گہری ہیں اور جن کی اپیل بہت زبردست ہے ۔ انھوں نے اپنے ہم وطنوں کو سیکولرازم کا راستہ دکھایا اور انھیں فرقہ پرستی اور ذات پات کے جھگڑوں سے اوپر اٹھایا ۔

انھوں نے یہ سکھایا کہ اسکیمیں تیار کر کے اور پلان بنا کے ملک کی حالت کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے ہندوستان کو نیا ذہن دیا، سوچنے کا نیا ڈھنگ دیا اور یہ بتایا کہ نئی دنیا میں وہ عزّت کی زندگی کیسے گزار سکتے ہیں وہ امن کے پیغامبر تھے اور ساری دنیا کے رہنے والوں کو غلامی سے چھٹکارا دلانا چاہتے تھے۔ اپنے زمانے کی تاریخ بنانے والے وہی تھے۔ انھوں نے اپنی نسل کے لوگوں پر گہرا اثر چھوڑا۔ وہ ہمارے لیے امّید اور ترقی کا نشان تھے۔ انھوں نے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا۔ ان کے مزاج کی شرافت اور ان کے مقصد کی عظمت (بڑائی) نے انھیں ہندوستان کا سب سے محبوب لیڈر بنا دیا۔ انھوں نے آرٹ اور سائنس کو شیر و شکر کر دیا۔ وہ بہادر تھے اور ہمیشہ خوف سے آزاد رہے۔

گاندھی جی سیاست کو مذہب کے ہم پلّہ بنانا چاہتے تھے۔ نہرو نے سیاست کو ایک شان اور ایک وسعت بخشی۔ ان کی ذات میں کشش بھی تھی اور عظمت بھی۔ ان کی نظریں لاکھوں انسانوں پر رہتی تھیں اور لاکھوں نظریں انھیں پیار اور ادب سے دیکھتی تھیں۔ نظروں کا یہ تبادلہ ان کے اور عوام کے درمیان ایک مضبوط پُل کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس پُل پر

وہ بہادری اور اعتماد کے ساتھ کھڑے رہے اور ہندوستان کی سیاست میں جو مشکلیں پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا ۔ ان کی تحریروں میں ان کا عقیدہ ان کی قابلیت ان کی ذہنی بلندی اور ان کی شان سبھی کچھ جھلکتا ہے ۔

آرام حرام ہے

نہرو کا خیال ہمیشہ یہ رہا کہ آرام کرنا ان لاکھوں لوگوں کے ساتھ غدّاری ہے جنھیں آرام کرنا نصیب نہیں ہوتا ۔ کیا انھوں نے بار بار یہ نہیں کہا کہ "آرام حرام ہے" ؟ ۔ بہت سے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ انھوں نے دیس کے ساتھ تو انصاف کیا مگر اپنے ساتھ انصاف نہیں کیا ۔ انھوں نے اپنے دیس کی خدمت میں خود کو بہت تھکا دیا ۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر وہ اتنا کام نہ کرتے اور آرام بھی کرتے تو زیادہ دنوں تک جیتے ہوتے ۔ وہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ نہرو صرف جینے کی خاطر جینا نہیں چاہتے تھے ۔ شاید وہ پل بھر کی بھی ایسی زندگی کو پسند نہ کر سکتے تھے جس میں وہ اپنے ملک کی عملی خدمت نہ کرسکیں ۔ انھوں نے طے کرلیا تھا کہ وہ مرتے دم تک کام کرتے رہیں گے

اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اسی طرح مرے جس طرح مرنا چاہتے تھے یعنی کام کرتے کرتے ۔

ایک پیدائشی ہیرو

نہرو ایک پیدائشی ہیرو تھے ۔ جہاں تک یاد کام کرتی ہے کوئی ایسا لیڈر ان سے پہلے نہیں ہوا جسے اس کے عوام نے اتنا چاہا ہو جتنا نہرو کو ۔

ہندوستانی قوم گاندھی جی کا ادب کرتی تھی اور انھیں دیوتا کی طرح پوجتی تھی ۔ نہرو کو قوم پسند کرتی تھی اور ان پر اتھاہ اور نہ ختم ہونے والی محبت نچھاور کرتی تھی ۔ وہ ان کی خوبیوں کی قدر کرتی تھی اور ان کی کمزوریوں کو جانتے ہوئے بھی ان سے نظر بچا لیتی تھی ۔ ہماری قوم کے لیے وہ محبت اور شرافت کا نشان تھے ۔ انھوں نے ہماری زندگی کو ایک سمت عطا کی اور وہ مقصد بتایا جس کے لیے ہم جئیں اور جس کے لیے ہم مر سکیں ۔

نہرو مرے تو لاکھوں لوگوں کو ایسا لگا کہ ان کے اندر کا کوئی حصّہ مر گیا ۔ وہ اپنے زمانے کے بے حد شریف اور بے حد پیارے انسانوں میں سے ایک

تھے ۔ ان کی زندگی دوسروں کے لیے ایک مثال تھی ۔ انھوں نے اپنے زمانے کے لوگوں پر ایک نہ مٹنے والا اثر چھوڑا ۔ وہ ایک نفیس مزاج انسان تھے محلوں میں رہنے والے مگر دیس کی محبت نے انھیں انقلابی بنا دیا ۔ وہ ایک فن کار تھے مگر اپنے ہم وطنوں کی حالت دیکھ کر جنگِ آزادی کے سپاہی بن گئے ۔ وہ اپنے ہم وطنوں سے پیار کرتے تھے اور ان کے ہم وطن انھیں جی جان سے چاہتے تھے جب نہرو مرے تو لاکھوں لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کی زندگی کھوکھلی ہو گئی ، مقصد سے خالی ہو گئی ۔

شاندار وزیراعظم

قدرت نے نہرو کو بہت سی خوبیوں کا مجموعہ اور وطن دوستی کا مجسمہ بنایا تھا ۔ آزادی کی تحریک نے انھیں ایک پکا محبِ وطن اور ایک عظیم لیڈر بنا دیا ۔ ان کی رائے بہت پختہ ہوتی تھی اور انھیں کاموں کے کرنے کا ڈھنگ آتا تھا ۔ آنے والی نسلوں کی سب سے بڑی کمی یہ ہوگی کہ ان میں کوئی گاندھی اور نہرو نہ ہوگا ۔ آنے والے زمانے میں ہندوستان کا وزیر اعظم کوئی نہ کوئی تو ہوگا مگر کوئی ایسا

شاندار، ایسا عظیم، ایسا انسان دوست نہ ہوگا جیسے وہ تھے۔ ان جیسا آدمی اب پیدا نہ ہوگا۔

نہرو اب نہیں رہے۔ یہ الفاظ ہمارے دلوں پر اس طرح گرتے ہیں جیسے سمندر میں بھاری چٹانیں گرتی ہیں۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ کیا اس بات کا یقین ہوسکتا ہے کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں۔ کوئی بھی اس بات کا یقین کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے کہ آج نہرو کی ضرورت کل سے بھی زیادہ ہے۔ آج ہمیں اس کی لیڈر شپ اس کی ہمدردی، اس کی انسانیت، اس کی محبت اس کی نظر کی گہرائی اور اس کی بے مثال جرات کی ضرورت ہے۔ لیکن اب تو ان کے بغیر ہی جینا ہوگا اس لیے کہ قسمت ہم سے یہ مذاق کرچکی یہ قدرت کا ستم ہے مگر اب تو اسے برداشت کرنا ہی ہوگا۔

ہم نہرو کو اپنے کاموں سے زندہ رکھ سکتے ہیں۔ ہم سب کے اندر تھوڑا سا نہرو موجود ہے اور یہی ہمارا سب سے اچھا حصّہ ہے جب بھی ہمیں نہرو کی یاد آتی ہے وہ ہمارے دلوں کو زخمی کردیتی ہے۔ ایک درد سا ہوتا ہے مگر یہ درد ہم میں سے ہر ایک کو ایک بات یاد دلاتا

ہے کہ جس لیڈر نے ہماری تربیت کی ، ہمیں چاہا ، ہمارے دلوں میں ولولہ پیدا کیا ۔ ہم خود کو اس کا پیرو کہنے کے لائق تو بنالیں ۔

نہرو کا رتبہ

نہرو اور دوسرے لیڈروں میں کیا فرق ہے ؟ نہرو ہمیں راستہ دکھاتے تھے ۔ کوئی دوسری جماعت اور کوئی دوسرا لیڈر اس قابل نہ تھا کہ اگر نہرو انجمن میں ہوں تو وہ انھیں راستہ دکھا سکے ۔ ان میں دشمنوں کے حملوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت تھی ۔ وہ بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کر سکتے تھے ۔ وہ جانتے تھے کہ کیسے آگے بڑھیں ، کس طرح قوم کی رہنمائی کریں کیونکہ وہ پیدائشی لیڈر تھے ۔ ان کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ انھیں اپنے مخالفوں کی تنگ دلی اور چھوٹے پن کا سامنا تھا ۔ مگر انھیں یہ یقین تھا کہ ہندوستانی عوام ان کے ساتھ ہیں اور اس سے ان کی ہمت بڑھ جاتی تھی ۔

نہرو کی تصویر ان کے ہم وطنوں کے دلوں میں اس طرح سجی ہے جس طرح کسی مندر میں مورتی رکھی ہو ۔ انھیں زندہ رکھنے کے لیے نہ کسی سمادھی کی ضرورت

ہے نہ کسی یادگار کی ۔ جب تک لوگ امن کی خواہش
کرتے رہیں گے ، جب تک وہ جیئو اور جینے دو کے اصول
کی قدر کرنے رہیں گے اس وقت تک نہرو مر
نہیں سکتے ۔ جب تک انسانی دلوں میں اعلیٰ جذبات اور
اور نیک خواہشات باقی رہیں گی اس وقت تک نہرو
بھی زندہ رہیں گے ۔ نہرو اس وقت تک زندہ رہینگے
جب تک دنیا میں نیکی ، شرافت اور بڑائی زندہ
رہے گی ۔

تاریخ نہرو کو بھلا نہ سکے گی ۔ آنے والی
نسلیں اس شاندار انسان کی خوبیوں پر
اور اس کی انسانیت پر حیرت کرتی رہیں گی ۔
آنے والے زمانوں میں لوگ ان کا ذکر کیا کریں گے

اور ان کی بڑائی ،
ان کی عظمت کا نقش

ھمیشہ
گہرا ہوتا جائے گا !

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

Rs. 23/-

ISBN 978-81-7587-698-9

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of HRD, Department of Higher Education, Government of India

FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110 025